اسلام کا نظامِ عدل گستری تاریخ کے آئینے میں

مولانا ریاض الحسن نوری

حامداً و مصلیاً ۔ عربی میں عدل کے معنی مساوات اور برابری کے ہیں معروف لغت "لسان العرب" میں ہے کہ ما قام فی النفوس انہ مستقیم یعنی جو بات انسانی ذہنوں کو صحیح اور سیدھی محسوس ہوتی ہو وہ عدل ہے ۔ مساوات اور عدل کے قیام میں عوام کے حصہ کے سلسلے میں حضرت معاذ جیسے عظیم اور فقیہ صحابی رضی اللہ عنہ کا اعلان جو انہوں نے قیصر کے سامنے کیا، قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ آپ رضؓ نے اس کے دربار میں فرمایا:

> "ہمارا خلیفہ ہم میں سے ایک فرد ہے۔ اگر وہ ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کے طریقے کی پیروی کرے تو ہم اس کو خلیفہ باقی رکھیں ورنہ اس کو معزول کر دیں۔ اگر وہ سرقہ کرے تو ہم اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اگر زنا کرے تو سنگسار کر دیں۔ اگر وہ ہم میں سے کسی کو گالی دے تو وہ بھی برابر میں گالی دے۔ اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اسے اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ وہ ہم سے چھپ کر قصرِ ایوان میں نہیں بیٹھتا۔ وہ ہم سے غرور و تکبر نہیں کرتا۔ وہ فئ اور غنیمت میں ہم سے زیادہ کا حق دار نہیں۔ وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا درجہ رکھتا ہے اور بس۔"[1]

[1] ازدی، فتوح الشام، ۱۰۸، کلکتہ بحوالہ ابوالکلام آزاد، اسلامی جمہوریہ، ۲۴۔

مذکورہ حوالہ سے بہت سے فقہی اور سیاسی قوانین مستنبط ہوتے ہیں۔ جن کی تفصیل علماء جانتے ہیں۔

قرآن کی سورۃ المائدہ کی آیات ۴۴ تا ۴۷ اس پر دال ہیں کہ قضاۃ اور حکام کے کفر اور ظلم سے بچنے کے لیے قرآن وسنّت کی پابندی لازم ہے[1] منافقین اور زنادقہ کے علاوہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے حتیٰ کہ پرویز صاحب کے استاد مولانا اسلم جیراج پوری بھی لکھتے ہیں کہ:

> "خلافت راشدہ کی بنیاد کتاب وسنّت پر تھی۔ خلیفہ استنباط مسائل میں دیگر علماء ومجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہ رکھتا تھا بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرتا..... خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس سے شرط لی جاتی تھی کہ وہ کتاب وسنّت پر عمل کرے گا"[2]

پس ثابت ہوگیا کہ قرآن وسنّت پر عمل کا حلف آج بھی ہر مسلمان صدر، وزیر، قاضی بلکہ ہر سرکاری ملازم سے لیا جانا ضروری ہے اور یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے جرمن محقق ڈاکٹر HANS KRUSE, بھی یہی لکھتا ہے۔

This law by its very nature does not recognise any earthly or worldly law giver and it demands submission even from the highest anthorities of the state [3]

---

[1] یعنی جو وحی منزلہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر وظالم ہیں۔ (المائدہ)

[2] مولانا اسلم جیراج پوری تاریخ الامّت ۲: ۲۵۷، ۲۵۸۔ گویا اتھارٹی اکیلا خلیفہ نہیں ہوتا بلکہ تمام مجتہدین۔ شوری اور خلیفہ سب مل کر اتھارٹی بنتے ہیں وہ بھی محض اس بات پر کہ قرآن وسُنّت پر عمل کیسے کیا جائے۔ سُنّت کی مخالفت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

[3] یہ قانون (اسلامی) اپنی فطرت کے لحاظ سے کسی ارضی اور دنیوی قانون ساز کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ یہ حکومت کی اعلیٰ سے اعلیٰ اتھارٹی سے بھی اسلامی قانون کی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے۔ Foundations of Islamic Jurisprudence P.3 published by Pakistan Historical Society

آئیے ہم دیکھیں کہ اسلامی تاریخ میں حضرت معاذؓ کے اعلان پر کب اور کس طرح عمل ہوا۔ کیونکہ عدل وہی ہے جو قرآن و سنّت کی کسوٹی پر پورا اترے۔

حکمرانوں کی معزولی اور انصاف کا بول بولا

دراصل بیسویں صدی سے پہلے تک جب کہ مسلم عوام کسی غیر مسلم تہذیب یعنی مغربی تہذیب سے مرعوب نہ ہوئے تھے کسی بھی حکمران یا قاضی کو خلاف شرع فیصلہ نہیں کرنے دیتے تھے۔ حکمران اور قاضی بخوشی یا عوامی دباؤ سے اس پر مجبور تھے کہ وہ عدالتوں میں شرع محمدی کے مطابق فیصلے کریں۔ سلاطین دہلی کا ذکر کرتے ہوئے عبدالحفیظ صدیقی لکھتے ہیں۔

"عدالتی عہدہ داروں پر بھاری ذمہ داریاں عائد تھی۔ قاضیوں کو خلاف شرع فیصلہ کرنے پر موت کی سزا دی جاتی تھی[۱]۔ التتمش نے دادرسی کے لیے اپنے محل کے باہر زنجیر عدل لگائی تھی[۲]۔ اور یہ دیکھنے کے لیے کہ عدل گستری خاطر خواہ ہو رہی ہے یا نہیں وہ سلطنت کے دورے بھی کرتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جب کسی کو کوئی شکایت ہو رنگین لباس پہنے[۳]۔ تمام سلاطین عدل گستری کو ایک مذہبی فریضہ

---

[۱] اغلب یہی ہے کہ یہ سزا قرآنی آیت ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الکافرون کی روشنی میں دی جاتی ہوگی۔

[۲] تاکہ فوراً اس کی دادرسی ہو سکے۔ رات ہو یا دن بادشاہ کو طلب کیا جا سکتا تھا۔

[۳] جہانگیر نے بھی زنجیر لٹکوائی تھی۔ ہمایوں نے نقارہ رکھوا دیا تھا۔ وعلم جرا۔ مرتضیٰ نظام اول نے زنجیر عدل لگائی تھی۔ (عبدالحفیظ صفحہ ۱۹۶)

سمجھتے تھے۔ انصاف کے معاملے میں بلبن نے خود اپنے رشتہ داروں اور بڑے افسروں کو بھی کسی رعایت کا مستحق نہ سمجھا۔ مثال کے طور پر بلبن کے ایک بڑے درباری امیر ملک بار بک نے اپنے کسی ملازم کو مار ڈالا۔ اس کی بیوہ نے شکایت کی تو سلطان نے ملک بار بک کو بیوہ کے سامنے اسی طرح قتل کروایا جیسے مقتول مارا گیا تھا بلبن نے ایک خفیہ محکمہ بھی قائم کیا تھا اور جاسوسوں کے ذریعے محکمہ عدلیہ کی خوبیاں اور خرابیاں معلوم کرتا تھا..... جب سلطان قطب الدین (۱۳۱۶ء ۱۳۲۰ء) نے ایک نااہل شخص یعنی ضیاء الدین کو قاضی القضاۃ بنایا تو شورش ہو گئی اور قاضی اور سلطان دونوں قتل ہو گئے[1]... محمد تغلق نے اپنے محل میں چار مفتیوں کو مامور کیا تھا جن کے مشورے سے وہ فصل خصومات کرتا تھا[1]

جس طرح ابتدائی خلفائے اسلام عدالتی فیصلوں کو مانتے تھے۔ اسی طرح سلاطین دہلی نے بھی اپنے آپ کو قانونِ ملک اور عدالتوں کا بالکل پابند بنا لیا تھا عدالتوں کو فصل خصومات کی پوری آزادی حاصل تھی۔ اکبر کا دور مستثنیٰ نہیں[2]

ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں فاسق حکمرانوں کو معزول بلکہ قتل تک کیا جاتا رہا ہے۔ مثلاً خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک شراب پیتا تھا اور فاسق وفاجر تھا۔ عوام نے اس کے خلاف خروج کیا اور ۱۲۶ھ میں اُسے قتل کر دیا۔ جب اس کا محاصرہ کیا گیا تو کہنے لگا کہ کیا میں نے تمہارے عطایا میں اضافہ نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہاری مشکلات دور نہیں کیں؟ کیا میں نے تمہارے فقیروں کو مال نہیں

---

[1] پروفیسر عبدالحفیظ، برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری: ۱۸۴، ۱۸۵ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد [2] اشتیاق: مغلوں کا نظام حکومت: ۱۸۶۔

دیا؟ یہ سن کر لوگ بولے کہ ہم تم سے کوئی ذاتی بدلہ نہیں لے رہے ہیں بلکہ اس بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ تم نے شراب پی اور اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا تم نے ان سے پرہیز نہیں کیا۔[1] یہ تو قرونِ اولیٰ کا واقعہ ہے۔ اب دو واقعے زمانہ قریب یعنی انیسویں صدی کے بھی سن لیجیے۔ سلطان عبدالعزیز ۱۸۶۱ء میں ترکی کا خلیفہ بنا۔ اسے تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ اور اس سلسلے میں اس نے بہت زیادہ فضول خرچی شروع کر دی۔ ڈاکٹر محمد عزیز صاحب اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ وزراء نے حالات پر غور کر کے خود سلطان کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور شیخ الاسلام سے فتوے لینے کے بعد خلیفہ کو معزول کر دیا گیا۔[2] اس کے بعد سلطان مراد خامس خلیفہ ہوا۔ لیکن وہ اعصابی انتشار کا مریض نکلا۔ اس لیے اسے بھی تھوڑے ہی عرصہ بعد ڈاکٹروں کی تصدیق اور شیخ الاسلام کے فتویٰ کے بعد معزول کر دیا گیا۔[3] گویا رعایا کو معزولی کا اختیار حاصل ہے۔ یہ ابو داؤد ۲۶۲۷ سے ثابت ہے بقول لارینٹ قانون ترکی کا سب سے بڑا تنہا حاکم تھا۔[4]

قیامِ عدل میں عام مسلمانوں کا حصہ اور اختیار

ہمارے مغرب زدہ دانشور اور مغربی جمہوریت کے پرستار اسلامی قوانین سے نابلد ہیں وہ مغربی جمہوریت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں حالانکہ مغربی جمہوریت میں عوام کو صرف انہیں لوگوں میں سے کسی ایک کو محض ووٹ دینے کا اختیار ہوتا ہے جو فریب، دولت اور چاپلوسی

---

[1] سیوطی: تاریخ الخلفاء: ۲۵۰ مطبوعہ مصر ۱۹۵۲ء

[2] معزولی کے پانچ دن بعد خلیفہ نے خودکشی کر لی۔

[3] ڈاکٹر محمد عزیز: دولت عثمانیہ: ۲: ۲۴۲ تا ۲۴۹ مطبوعہ اعظم گڑھ [4] محولہ بالا: ۲: ۳۶۸۔

کے بَل بوتے پر جیتنے کا امکان رکھتے ہوں۔ چاہے وہ اخلاقی اور علمی حیثیت سے کتنے ہی نا اہل ہوں۔ لیکن اسلام میں عوام کی خدمت متقی حکام کرتے ہیں۔

چنانچہ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ :

"عدل کا قیام پوری اُمّت مسلمہ کے لیے فرض کفایہ ہے جیسے جہاد اور یہ کہ قاضی اللہ تعالےٰ کا حکم نافذ کرتا ہے نہ کہ خلیفہ یا صدر کا۔ اور ان احکام کا صدور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسلامی قوانین در اصل اللہ ہی کے قوانین ہیں یہ کسی حاکم یا خلیفہ یا امام الاعظم کے بنائے ہوئے نہیں ہوتے۔ پس یہ احکام خلیفہ پر اسی طرح لاگو ہوتے ہیں جس طرح کسی عام مسلمان پر۔ قاضی جو حدود نافذ کرتا ہے وہ تمام دیگر ولایات کی طرح فرض کفایہ ہیں اور تمام امت پر واجب ہیں لیکن عملاً ان کو وہ شخص نافذ کرتا ہے جس کو فقہ اور قضاء میں تخصص اور خاص علمی فوقیت حاصل ہوتی ہے .... اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ قاضی خلیفہ کی موت سے معزول نہیں ہوتا بلکہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے"[1] قاضی کوڈ نہیں بلکہ قرآن و سنت کا پابند ہوتا ہے۔

اب ہم مسئلہ کی اہمیت کی وجہ سے ابو زہرہ کے بیان کا کچھ حصہ خاص ان کے عربی الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع فرمادیں۔ وہ لکھتے ہیں :

اولهما - أن القاضی فی حکمه ینفذ حکم الله تعالیٰ لا حکم الامام

---

[1] ابو زہرہ : فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی ، القسم الثانی ، ۱۲۹۔ ۱۳۱ مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء

الاعظم فهو لا یستمد القانون الذی یحکم به الامام بل یستمد من حکم احکم الحاکمین وهٰذا الحکم یخضع له الامیر وغیر الامیر والحاکم وغیر الحاکم۔ ۔ ۔ کالجهاد هو فرض کفایة علی الامة مجتمعة ولکن یقوم به القادر علیه۔ ۔ ۔ ۔ فلیس القانون من وضع الحکم حتیٰ یعفی نفسهٗ من زواجره بل هو من صنع اللّٰہ تعالیٰ وهو وحده صاحب الامر المطلق والنهی المطلق۔

الامر الثانی۔ ان القاضی الذی ینفذ الحدود لیس نائبًا عن ولی الامر وان کان لا یمکن من سلطانه بامره وذلك امر مقرر ثابت فی الفقه الاسلامی، لان القضاء کسائر الولایات من الفروض الکفایة وهو واجب علی الامة الخ[1] گویا ہر شعبہ چلانا امت پر فرض کفایہ ہے۔

احتساب اور عدل کا چولی دامن کا ساتھ

قیام عدل اور احتساب دونوں فرض کفایہ ہیں اور ہر مسلمان کو نہ صرف ان کے قیام میں حصہ لینے کا حق و اختیار حاصل ہے بلکہ یہ ہر مسلمان کے لیے فرض بھی ہے۔ اسلام میں نماز پڑھنا فرض بھی ہے اور اس کا حق بھی ہے۔ اس کے حق ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ ہر ملازم کا یہ حق ہے کہ وہ نماز کے اوقات میں نماز ادا کرے اور آجر کے لیے لازم ہے کہ وہ نماز کے اوقات مقرر کرے۔ قیام عدل و احتساب کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا مندرجہ ذیل واقعہ قول فیصل ہے جو دونوں حقوق کا احاطہ کرتا ہے۔

"ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا

---

[1] ایضاً۔

ہوگیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ ہم تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے آزمانے کے لیے ڈانٹ کر کہا کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے اس نے کہا۔ ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں اگر کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ عدالت کے محکمہ کے علاوہ جب تک وسیع ملک گیر احتساب کا محکمہ قائم نہیں ہوگا اس وقت تک عدل کا قیام بھی نہیں ہو سکتا۔ نظام الملک طوسی کا بھی یہی خیال ہے۔ اس نے محمود کے دور کے ایک محتسب کا واقعہ لکھ کر جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نوشتکین پچاس ہزار سپاہ کا سالار تھا۔ بڑا شجاع اور اپنے عہد کا مانا ہوا جنگجو تھا اور ہزار مردوں کے مساوی سمجھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ رات بھر نبیذ پیتا رہا۔ صبح تک اسے نشہ چڑھ گیا۔ وہ سواروں۔ غلاموں اور ملازموں کی بڑی جمعیت کے ساتھ باہر نکلا۔ راستے میں محتسب نے جس کے جلو میں سو سوار اور پیادہ تھے انکو دیکھ لیا۔ جب اس کی نظر علی نوشتکین کی مستی و مدہوشی پر پڑی تو حکم دیا کہ اسے گھوڑے پر سے کھینچ لیا جائے۔ پھر خود گھوڑے پر سے اتر آیا اور اپنے ہاتھ سے ایسی ضربیں لگائیں کہ وہ زمین پر دانت رگڑنے لگا۔ اس کے حاشیہ بردار اور لشکری دیکھ رہے تھے مگر کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ محتسب ایک بوڑھا ترک خادم تھا جو اعلیٰ خدمات سرانجام دیتا رہا تھا۔ اس واقعہ کو

---

[۱] شبلی نعمانی: الفاروق ۲: ۲۲۳: رحمانی پریس دہلی مطبوعہ قبل ۱۹۲۶ء

بیان کرنے کے بعد نظام الملک لکھتے ہیں:

"چونکہ محمود نے قواعد سلطنت اور قوانین سزا و عقوبت محکم بنیادوں پر استوار کر رکھے تھے لہٰذا عدل اس نہج پر رواج پذیر تھا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے"۔ [۱]

یاد رہے کہ قاضی اور محتسب کے طریق کار اور اختیارات میں کافی فرق ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن ہم یہاں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ احتساب اور عدل میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور اسلامی نظام میں ان دونوں کے سلسلے میں جو اختیارات اور حقوق عوام کو حاصل ہوتے ہیں ان کا عُشر عشیر بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مغربی جمہوریت میں عوام کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں سراغ رسانی کے سلسلے میں سائنسی ترقی اور جدید آلات کے باوجود جرائم دن بدن بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ سرِعام جرم دیکھ کر کوئی عامی مدد یا گواہی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

علماء اور عامی مسلمان جس طرح پر بڑے بڑے بادشاہوں کا احتساب کرتے رہے ان واقعات سے تاریخ اسلام کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے جیسا کہ مولانا مناظر حسن گیلانی نے بھی لکھا ہے کہ:

---

[۱] نظام الملک طوسی، سیاست نامہ: ۵۰، ۵۱ مترجمہ محمد منور مطبوعہ مجلس ترقی ادب ۱۹۶۱ء

حکام اور عوام کا احتساب ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ورنہ ہم تاریخ سے سینکڑوں ایسے واقعات بیان کرتے کہ کسطرح خواص و عام بڑے بڑے حکمرانوں کا سرعام احتساب کرتے رہے اور انکو بے نقط سناتے رہے۔ ایک بڑھیا نے جیسے سلطان محمود کو ڈانٹ پلائی اس کا قصہ بچے بھی جانتے ہیں۔

"مسلمان بادشاہوں کے متعلق عیوب کے ساتھ، افسوس ہے کہ ان کی خوبیوں کے ذکر کو لوگوں نے ترک کر دیا۔ غلط فہمی اب تو اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی قانون پر کسی اسلامی حکومت کا عملدرآمد نہ تھا۔ حالانکہ اور کچھ ان بادشاہوں کے عہد میں تھا یا نہ تھا لیکن قانون جہاں تک میں جانتا ہوں (اسلامی رہا)۔۔۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں دنیا کی سیاست کی باگ جب تک رہی اسلامی قانون کے ساتھ ان کی وفاداری مسلسل باقی رہی۔ یورپ کے تسلط کے بعد جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یہ قصہ ہی الگ ہے۔ بہرحال مسلم سلاطین سے شکایت اگر کچھ ہو سکتی ہے تو ان کے ذاتی کردار یا اخلاق کی اور اسی وجہ سے مالی معاملات میں بھی ان سے غلطیاں ہوئیں لیکن قانون کی حد تک ہر حکومت مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت رہی۔"[1]

احتساب کے سلسلے میں اکبر کا واقعہ سن لیجیے: سال گرہ کی تقریب منعقد ہوئی اکبر زعفرانی لباس زیب تن کر کے محل سرا سے باہر آیا۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی گنگوہی موجود تھے۔ ان کی غیرت دینی جوش میں آئی۔ سر دربار عصا اٹھا کر اس سختی سے ٹوکا کہ عصا کا سرا بادشاہ کے سر کو جا لگا اکبر پاس ادب سے اس وقت تو خاموش رہا۔ لیکن محل میں جا کر ماں سے شیخ کے طرز عمل کی شکایت کی۔ نیک بخت ماں نے سعادت مند بیٹے سے کہا کہ بیٹا یہ خفگی اور شکایت کا مقام نہیں۔ تمہارے

---

[1] مولانا مناظر حسن گیلانی: مقالات احسانی: ۶۱، ۶۲ مطبوعہ مجلس علمی کراچی ۱۳۹۹ء
عالمگیر کا فرمان تھا کہ کوئی افسر بغیر اجازت مکان نہ بنائے (مآثر عالمگیری اردو: ۴۹)

لیئے ذریعہ نجات ہے۔ کتابوں میں لکھا جائے گا کہ بوڑھے عالم نے اتنے بڑے صاحب اقتدار بادشاہ کو عصا مارا اور بادشاہ فقط ادب شرعی کی بنا پر صبر کر کے برداشت کر گیا۔ ذخیرۃ الخوانین کے اصل الفاظ پڑھیے : دریں اثنا سال گرہ ....[1]

قیامِ عدل میں عورتوں کا حصہ

امان کے سلسلے میں متعدد واقعات ہیں مثلاً فتح مکہ کا واقعہ مشہور ہے جبکہ ام ہانی نے ایک شخص کو پناہ دی یعنی ابن ہبیرہ کو جسے حضرت علیؓ قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گئیں اور بتایا کہ میرے پناہ دینے پر بھی حضرت علیؓ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی اُسے ہم نے بھی پناہ دی۔ ایسے موقع کے لیے یہ مشہور حدیث بیان کی جاتی ہے۔ یعنی یسعی بذ متہم ادنا ھم[2] اب دیکھئے کہ ایک عورت ام ہانی کے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم جرنیل فاتح خیبر، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے داماد اور عشرہ مبشرہ کے جلیل القدر صحابی کی بھی کچھ نہ چل سکی۔ غرضکہ عام عورت کا حکومتی اختیار جنرل کے برابر ہے۔

اسلامی نظام عدل کی خصوصیات

حدیث میں آیا ہے کہ جو قاضی

---

[1] (محمد اسحاق بھٹی؛ فقہائے ہند؛ جلد چہارم۔ حصہ اوّل؛ ۱۷۱ مطبوعہ کلب روڈ لاہور)

[2] اس حدیث کو امام محمد نے بھی کتاب السیر بیان کیا ہے اور اس کی شرح میں سرخسی نے مفصل بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایسا حق ہے کہ جس کو کوئی جنرل یا حکمران نہیں چھین سکتا کیونکہ یہ حضورؐ کی اجازت سے ہے۔ اگر کمانڈر ان چیف یہ اعلان کرا دے کہ آئندہ کوئی عامی مسلمان غیر مسلم کو امان نہیں دے سکتا تو یہ حکم کالعدم ہو گا اور عامی کی امان نافذ ہو گی۔ ہاں اگر کوئی مسلمان اس سلسلے میں خلاف عدل کام کرے گا تو بعد میں عدالت اسکو سزا دے سکتی ہے لیکن اسوقت امان نافذ ہو گی۔ اس سلسلہ میں بانگ درا کی نظم "محاصرہ ادرنہ" بھی قول فیصل ہے۔

بنایا گیا گویا وہ الٹی چھری سے ذبح کیا گیا۔ اسی وجہ سے سلف عہدہ قبول کرنے سے بھاگتے تھے اور عوام اسلامی نظام پر جان دیتے تھے۔ حاکم کا فرض ہے کہ وہ رعایا کی پریشانیوں کو سنے اور حل کرنے کے لیے چوبیس گھنٹے مستعد رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے دروازے ان پر بند نہ کرے[1]۔ ہر عام و خاص کو ایک جیسا اختیار ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ آدھی رات کے وقت بھی وہ طلب انصاف کے لیے حکمرانوں کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور سر راہ بھی بلا جھجک ان کا گریبان پکڑ سکتا ہے اور حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ بلا قیدِ وقت و حالت و مقام ان کا استغاثہ سنیں اور وہیں فیصلہ کریں۔ عوام کا اس طرح کا حق دادخواہی اور حاکم کا فرضِ عدل گستری خود قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ ایک دفعہ حضرت داؤدؑ نے عبادت کے لیے دروازہ بند کر دیا تو فریادی دیوار پھاند کر ان تک جا پہنچے اور انہیں وہیں اُن کے مقدمہ کا فیصلہ کرنا پڑا۔ نیز دروازہ بند رکھنے پر خدا کی طرف سے حضرت داؤدؑ کو تنبیہ بھی ہوئی۔ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

> "حضرت داؤد کا جو قصہ سورہ ص میں ہے .... ان کی تنبیہ اس باب میں ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد خلیفہ کی سب سے بڑی عبادت رعایا کے معاملات کی دادگری اور ان کے کاموں کی نگرانی ہے۔ وہ مقدمات کے فیصلوں کو چھوڑ اپنے عبادت خانہ کے دروازہ کو بند کر کے خدا کی عبادت میں مصروف رہنے لگے

---

[1] عباسی خلیفہ **معتصم باللہ** نے ایک موذن کو حکم دے رکھا تھا کہ جب ظلم دیکھو بے وقت اذان دے کر فوراً مجھے مطلع کر دو تاکہ جلدی سے ظلم کا سر کچل دیا جائے۔

اسپر.... تنبیہ کی گئی.... جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے جو گویا اس آیت کی تفسیر ہے..... مامن امام یغلق بابہ.... یعنی جو امام و حاکم ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ خدا بھی اس کی ضرورت کے وقت آسمان کا دروازہ بند کر لے گا۔" لہ

حاکم کا فرض ہے کہ وہ رعایا کی ذاتی پریشانیوں کو بھی حل کرے۔ یہی اسلامی عدل کا طرہ امتیاز ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے ہر افسر مسجد میں پانچ وقت حاضر ہو کر بذات خود لوگوں کو احتساب کرنے اور اپنی مشکلات پیش کرنے کا موقع دے۔ راتوں کو شہروں میں گشت کر کے حالات بذاتِ خود معلوم کرے۔ مامون الرشید اور دیگر حکمرانوں کا یہی دستور تھا۔ حضرت عمرؓ کا پروگرام تھا کہ وہ مختلف شہروں میں ایک ایک ماہ ٹھہر کر عوام کی مشکلات کو خود حل کرتے۔ آپ نے رات کو گشت کے موقع پر ایک فوجی کی بیوی کو اپنے خاوند کے فراق میں اشعار پڑھتے ہوئے سنا اور اعلان کر دیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ میدان جنگ میں اپنی بیوی سے علیحدہ نہ رہے۔ گشت میں دودھ چھڑانے کی کوشش کو دیکھ کر اعلان کر دیا کہ ہر بچے کا وظیفہ پیدائش کے وقت ہی مقرر کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا باتوں میں قیام عدل کے لیے عدالتیں ناکافی ہیں۔ ایسے معاملات میں قیام عدل کے لیے رات اور دن صدر وغیرہ اور دیگر عاملوں کا خود گشت کرنا ضروری ہے۔ (الفاروق: ۲: ۲۲۶)

لہ ماہ نامہ فکر و نظر بابت مارچ اپریل ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳۔ (تفصیل کے سلئے ح اِلہ ملاحظہ ہو)

اسلامی نظام کی خاص بات یہ ہے کہ انصاف مفت ملتا ہے۔ نہ کورٹ فیس کی ضرورت نہ وکیل کی۔ بلکہ حضرت عمرؓ بازاروں میں گشت لگاتے اور جہاں جھگڑا پاتے وہیں فیصلہ کر دیتے[1] تابعی قاضی یحییٰ بن معمر بھی حاجتمندوں کی آسانی کے لیے چلتے پھرتے راستے اور گلی میں تنازعوں کا فیصلہ کر دیتے تھے[1]۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی طریق تھا۔ راستہ میں ایک عورت کے گالی دینے پر ان کے فیصلہ کرنے کے طریق پر امام ابو حنیفہ کے اعتراض کا واقعہ مشہور ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ قاضی کے طریق کار پر نیک نیتی سے علمی تنقید اسلام میں شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ لیکن رات کے گشت کا مطلب بند مکانوں کے اندر جاسوسی کرنا بھی نہیں ایک رات حضرت عمر نے ایک مکان سے کسی مرد کے گانے کی آواز سنی۔ آپ دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ عورت اور شراب بھی موجود ہے۔ آپ نے اس کو لعن طعن کیا۔ اس نے کہا کہ جلدی نہ کیجیے۔ میں نے ایک نافرمانی کی ہے[2] اور آپ نے تین۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تجسس نہ کرو۔ آپ نے تجسس کیا۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ گھروں کے دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ آپ دیوار پھاند کر آئے۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ گھروں میں اجازت اور سلام کے بغیر مت داخل ہوا کرو۔ اور آپ بلا اجازت داخل ہوئے۔ آپ نے توبہ کی شرط سے اس کو چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ فرمایا اگر حاکم خود زنا دیکھے تو کیا مجرم پر حد قائم کر سکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ایک گواہ کافی نہیں۔ کم از کم چار ہونے چاہئیں[3]۔

---

[1] تاریخ طبری، ج ۴، ۲۱۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ معین الدین: تابعین: ۱۳، ۵ اعظم گڑھ

[2] اغلباً عورت اس کی بیوی تھی۔ اس لیے گناہ شراب کا ہی تھا۔

[3] غزالی، احیاء علوم جلد دوئم باب مسلمانوں کے حقوق۔ (شرح احیاء ۶: ۲۸۰)

مذکورہ بالا تاریخی واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ گواہی میں عادل مسلمان رعایا کے فرد اور حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ میں بھی مساوات ہے۔ اسلام میں اکیلے خلیفہ کی گواہی سے فاسق کو سزا نہیں دی جا سکتی۔[1] پس اکیلے پولیس مین کی گواہی سے چاہے وہ عادل ہی کیوں نہ ہو ٹریفک کی سزا نہیں دی جا سکتی اگر وہ جرم سے انکار کر دے۔ اس کے برعکس اگر دو عادل مسلمان ٹریفک کی خلاف ورزی کی رپورٹ کریں تو ان کی گواہی پر ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جا سکتی ہے دوسرے لفظوں میں دو عادل عامی ٹریفک کا چالان کر سکتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے فرض کفایہ قرار دیا جائے گا اور ایسے لوگ خدا سے اجر بھی پائیں گے۔ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کو معمولی گناہ نہ سمجھنا چاہیے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے راستے کو جو لوگ روک لیتے تھے صحابہ کرام ان کو مار کر اٹھا دیتے تھے۔[2] شارع عام پر تجاوزات چاہے عارضی کیوں نہ ہوں گناہ ہیں۔ اس بات کی اہمیت آج قدیم دور سے کہیں زیادہ ہے۔"[3]

قیامِ عدل کی ایک اچھوتی مثال

نظام الملک طوسی نے ایک درزی کا واقعہ جو کہ مسجد میں اذان بھی دیا کرتا تھا بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اسے اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ خلافت عباسیہ کے سب سے با جبروت خلیفہ کے دور میں ایک

---

[1] ابو یوسف: الخراج: ۱۸۰ [2] شرح احیاء: ۱۰: ۲۶۶

[3] یاد رہے کہ اسلامی نظام عدل میں خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ اگر بسوں اور کاروں کے ڈرائیوروں سے حادثات میں دیت یعنی شروع کر دی جائے تو سڑکوں کے حادثات قریب قریب ختم ہو سکتے ہیں اور یہ اسلامی نظام کی برکت ہوگی۔ بقول لارپنٹ قانون کی ہر خلاف ورزی کو روکنے کا حق خلافت عثمانیہ میں ادنیٰ ترین شخص کو حاصل تھا۔ (دولت عثمانیہ ۲: ۸۱، ۳۰۱)

معمولی مؤذن بھی قیام عدل کے سلسلے میں کیا کچھ کر سکتا تھا۔ یہ ایک ایسے اسلامی معاشرہ ہی میں ممکن ہے جہاں کا حکمران عدل کو ہر بات پر ترجیح دیتا ہو۔

بغداد کے ایک بہت با اثر امیر نے ایک معمولی تاجر سے چھ سو دینار پانچ ماہ کی مدت کے لیے قرض لیے۔ لیکن ڈیڑھ سال ٹالتا رہا اور قرض ادا نہ کیا۔ آخر کار اس نے رقم کی واپسی کے لیے کئی بڑے بڑے لوگوں سے سفارش بھی کرائی حتّٰی کہ قاضی کے ہاں سے بھی کئی آدمی اس کے پاس آئے لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ آخر کار وہ سب طرف سے مایوس ہو کر مسجد میں نماز کے بعد آہ وزاری کرنے لگا کہ اے خدا تو میری فریاد سن لے۔ مسجد میں ایک درویش بھی بیٹھا تھا۔ جب یہ شخص دعا اور آہ وزاری سے فارغ ہوا تو درویش نے پوچھا کہ تم کو کیا تکلیف ہے مجھے بتاؤ شاید کوئی راستہ نکل آئے؟ اس نے جواب دیا کہ سوائے خلیفہ کے سب سے رجوع کر چکا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہوا تو تم کو بتانے سے کیا فائدہ ہو گا۔ درویش نے کہا کہ فائدہ نہ ہو گا تو نقصان بھی نہ ہو گا۔ آخر کار اس نے سارا حال درویش کے گوش گذار کر دیا۔ درویش نے جواب دیا کہ تم بے فکر ہو جاؤ۔ اگر میرے کہنے پر عمل کرو گے۔ تو ممکن ہے کہ آج ہی اپنی رقم حاصل کر لو۔ فلاں مسجد کے پہلو میں ایک درزی بیٹھتا ہے۔ اس کو میرا سلام کہنا اور اپنی مشکل بیان کر دینا۔ جب وہ شخص درزی کے پاس جا رہا تھا تو سوچ رہا تھا کہ یہ درویش بھی عجیب احمق ہے۔ امراء و رؤساء کی سفارش سے تو کچھ نہ ہوا بھلا ایک بوڑھا عاجز درزی کیا کر سکے گا۔ بہرحال وہ گیا درزی نے حال سن کر اپنے ایک شاگرد کو بھیجا کہ فلاں امیر کے گھر جاؤ اور پیغام بھیجو کہ فلاں درزی کا شاگرد پیغام لایا ہے جب وہ تمہیں اپنے پاس بلا لے تو اُسے کہنا فلاں شخص کا قرض پورا کا پورا ادا کر دو اور اس کی خوشنودی اور دلجوئی میں

کوئی فرو گذاشت نہ کرو۔

لڑکا تھوڑی دیر بعد واپس آگیا اور خبر لایا کہ وہ امیر رقم لے کر آ رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد امیر نے آکر رقم واپس کر دی اور معافی مانگی۔ مزید اس کی دعوت بھی کی اور ہر طرح سے اس کی دلجوئی کی۔

اس عجیب ماجرے کے بعد شخص مذکور نے بوڑھے درزی سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ جس شخص نے بڑے بڑے لوگوں کی نہ سُنی وہ آپ کے آگے کیونکر سرنگوں ہو گیا؟ اس سوال کو سن کر بوڑھے درزی نے کہا کہ میرے جو روابط امیرالمومنین کے ساتھ ہیں شاید ان کا تم کو علم نہیں ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے۔

میں تیس برس سے اس مسجد کے مینارے پر اذان دے رہا ہوں۔ کپڑے سیتا ہوں اور روزی کماتا ہوں۔ اسی گلی میں ایک امیر کا گھر بھی ہے۔ ایک روز نماز عصر ادا کر کے دوکان میں آیا تو دیکھا کہ یہ امیر عالم مستی میں چلا آ رہا ہے اور ایک عورت کے دامن پر ہاتھ ڈالے اسے زبردستی کھینچ رہا ہے۔ وہ عورت فریاد کر رہی ہے کہ میں اس قماش کی عورت نہیں۔ یہ ترک مجھے زبردستی لے جا رہا ہے میں چیخا چلایا۔ لیکن بے سود وہ عورت کو لے کر گھر میں گھس گیا۔ میں چند لوگوں کو لے کر اس کے گھر گیا۔ تو وہ ترک اپنے غلاموں کے ساتھ نکلا اور ہمیں زدوکوب کیا یہاں تک کہ ہم بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ میں آدھی رات تک سوچ میں پڑا رہا کہ کیا کروں میں نے سن رکھا تھا کہ میخوار مست ہوتے ہی سو جاتے ہیں۔ جب جاگتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ رات بہت ہو گئی۔ میں یہ تدبیر کروں کہ منارے پر چڑھ کر اذان دوں اور جلدی سے اتر آؤں۔ ترک اذان سنے گا تو سمجھے گا کہ صبح ہو گئی ہے اور وہ عورت سے دست کش ہو کر اسے گھر سے نکال دے گا تو میں

اسے اس کے خاوند کے گھر پہنچا دوں گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ منارہ پر چڑھ کر اذان دی۔ خلیفہ معتصم باللہ جاگ اٹھا اور غضبناک ہوا کہ آدھی رات کو کس نے اذان دیدی خلیفہ کے آدمی مجھ کو پکڑ کر لے گئے تو میں نے خلیفہ کو سارا واقعہ سنا دیا واقعہ سن کر خلیفہ نے اسی وقت سو آدمی روانہ کیئے جو فوراً اسے گرفتار کر کے لے آئے۔ جب وہ آ گیا تو اس سے غضبناک ہو کر خلیفہ معتصم نے کہا:

میرا عہد اور دین داری میں یہ خلل؟ کیا میں وہی نہیں ہوں جس نے روم کے لشکر کو مار بھگایا۔ قیصر کو شکست دی آج میرے عدل و دبدبے کے باعث بھیڑ اور بھیڑیا ایک جگہ پانی پی رہے ہیں تجھے یہ جراٴت کیونکر ہوئی کہ تو ایک عورت کو زبردستی پکڑے؟ لوگ تجھے نیک عملی کی تلقین کریں اور تو انکو زدوکوب کرے؟ اس کے بعد اس امیر کو ایک بوریے میں ڈالا گیا کس کر باندھ دیا گیا۔ پھر لاٹھیاں مار مار کر اس کی ہڈیاں چورہ چورہ کر دی گئیں اور پھر اس بوریے کو دجلہ میں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے شیخ دیکھو جو خدا سے ڈرتا ہو وہ ایسا کام کیوں کر کر سکتا ہے آج سے تمہیں حکم ہے کہ کوئی شخص بھی کسی پر ظلم کرے یا شریعت کی توہین کرے تو تمہارا فرض ہے کہ اسی طرح بے وقت اذان دیدینا کہ میں سن کر تم کو بلا لوں اور پھر مجرم کے ساتھ خواہ وہ میرا فرزند یا بھائی ہی کیوں نہ ہو، وہی سلوک کروں جو اس سگ غلیظ کے ساتھ ہوا۔ یہ کہہ کر مجھے انعام بخشا اور احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس واقعے سے جملہ اکابر و خواص آگاہ ہیں۔ اس امیر نے اگر تمہاری رقم دی ہے تو میرے ادب و احترام کے باعث نہیں دی بلکہ لاٹھی اور دجلہ کے خوف سے دی ہے۔ کیونکہ اگر وہ پس و پیش کرتا تو میں اسی

وقت اذان دیدیتا پھر اس کا وہی حشر ہوتا جو اس ترک کا ہوا تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد سیاست نامہ میں بادشاہ کو خطاب کرتے ہوئے نظام الملک طوسی وزیر لکھتے ہیں کہ ایسی اور بھی بے شمار حکایتیں ہیں۔لیکن یہاں ایک درج کی گئی تاکہ بادشاہ سلامت جان لیں کہ بادشاہوں کا طرزِ عمل ماضی میں کیا رہا ہے۔انہوں نے بھیڑ کو بھیڑیے سے کیوں کر مامون رکھا، وہ دین کو کس طرح قوت دیتے اور اس کا کس قدر احترام و ادب ملحوظ رکھتے تھے[۱] دراصل قیام عدل سے اسلام کو جتنی قوت پہنچ سکتی ہے کسی اور شے سے نہیں پہنچ سکتی۔اس کی اہمیت سے سیاست داں بے خبر ہیں۔

نظام الملک کے مندرجہ بالا قول سے یہ بات ثابت ہوگئی جو حکمران واقعی دین کو قوت دینا چاہتا ہے اور دین کا ادب واحترام کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا ہی عدل قائم کرے گا عدل ساعة خیر من عبادة ستین سنة یعنی ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اسلام میں مساوات حاکم و محکوم

اسلام میں جبر واکراہ جائز نہیں۔ حکومت کا جبر یا چور اور ڈاکو کا جبر ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ابن حزم کے الفاظ میں؛ لا فرق بین اکراہ السلطان او اللصوص[۲] شامی میں ہے کہ جو عادل حکمران کے خلاف بغیر حق کے بغاوت کرے تو وہ باغی ہوگا اور اگر حق کی بنا پر بغاوت کرے گا تو باغی

۱؎ نظام الملک طوسی؛ سیاست نامہ اردو ترجمہ محمد منور؛ ۵۵:۴۶ مطبوعہ کلب روڈ لاہور۔

۲؎ ابن حزم؛ المحلی؛ مسئلہ ۱۴۰۸۔

نہ کہلائے گا۔ اگر امام کے خلاف مظلوم مسلمانوں کی جماعت بغاوت کرے تو باغی نہ ہوں گے بلکہ حکمران کو چاہیے کہ ان سے انصاف کرے۔ حق کی خاطر بغاوت ہو تو عوام کو حکومت کی مدد کرنا جائز نہیں[1] قرآن کے حکم کہ نیکی میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو، پر ہر حال میں عمل چاہیے۔ ابن حزم المحلی میں اہل البغی کے تحت الحجرات کی آیت نمبر ۹ نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ خدا کے حکم کو تسلیم کرلے پھر اگر ایسا ہوجائے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اس کے ذیل میں وہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں جو مسند احمد میں صحیح سند[2] سے مذکور ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے عامل کو عبداللہ بن عمرو بن العاص کی زمین وہط نامی پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس پر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے ساتھیوں اور غلاموں سمیت مسلح ہو کر لڑنے کے لیے نکل آئے اور فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوجائے تو وہ شہید ہوگا (من قتل دون مالہ فھو شھید) بقول ابن حزم امیر معاویہؓ صریحاً ظلم کے طریق پر اس کی زمین نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ وہ کسی تاویل کے تحت ہی ایسا کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی رائے کو حق نہ سمجھا اور قتال کے لیے تیار ہوگئے[3]۔ صحابہ میں سے کسی نے

---

[1] فتاویٰ شامی باب البغاۃ: ۴: ۲۶۱۔ مطبوعہ مصطفی البابی ۱۹۶۶ء

[2] راقم الحروف نے اس کی سند کی مکمل تحقیق دیکھی ہے۔

[3] ان کی تیاری دیکھ کر حضرت معاویہؓ کے آدمی واپس چلے گئے تھے۔ اور لڑائی نہ ہوئی۔

آپ کی مخالفت نہ کی[1] یہ رائے ابو حنیفہ شافعی ۔ ابو سلیمان اور ان کے اصحاب کی بھی ہے ۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم حکومت یا غیر حکومت میں فرق نہیں کرتا بلکہ باغی گروہ سے قتال کا حکم عموم کے لیے وارد ہوا ہے ۔ کوئی تفریق قرآن ۔ حدیث یا اجماع سے ثابت نہیں[2] قیام عدل فرض کفایہ ہے ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عادل حاکم بھی باغیوں کے اسلحہ پر قبضہ نہیں کر سکتا زیادہ سے زیادہ دوران جنگ اگر اسلحہ ہاتھ آجائے تو جنگ میں اس کو استعمال کر سکتا ہے ۔ مگر جنگ ختم ہوتے ہی ایسا اسلحہ باغیوں کو یا ان کے وارثوں کو واپس کرنا پڑے گا کیونکہ باغیوں کا مال کیسا بھی ہو عادل حکومت کے لیے حلال نہیں باغیوں سے عین قتال کے وقت بھی ان کا مال حلال نہیں ہوتا ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ محصن زانی کا خون تو حلال ہوتا ہے مگر مال حلال نہیں ہوتا ۔ یاد رہے کہ اگر جنگ میں باغی بھاگ کر کھڑا ہو تو اس کا پیچھا کرنا اور حملہ کرنا حلال نہیں ولا یطلب ھاربا[3] جب حضرت طلحہؓ کے لشکر کو شکست ہو گئی تو حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ مقابلہ کرنے والے کو قتل کرو نہ بھاگنے والے کو[4] اگر باغی کسی علاقہ میں غالب آجائیں اور وہ عوام سے خراج و عشر وصول کر لیں تو

---

[1] گویا اس پر صحابہؓ کا اجماع سکوتی تو بہر حال ہو گیا ۔

[2] ابن حزم : المحلی ۱۱ : ۹۹ ۔

[3] امام شافعیؒ : الام ۴ : ۲۲۴ ۔ ۲۲۵ ملخصاً ۔

[4] ابن ہمام : فتح القدیر ۶ : ۱۰۴ ۔

[5] محولہ بالا ۔

حکومت لوگوں سے دوبارہ خراج و عشر کا مطالبہ نہیں کر سکتی[۱] یاد رہے کہ یہ نرم قوانین ان کے لیے ہیں جو دین کے معاملہ میں غلط تاویل کے تحت عادل حکومت کے خلاف بغاوت کریں مگر منافقوں اور ملحدوں۔ زندیقوں۔ بے دینوں چوروں۔ ڈاکوؤں۔ محاربوں عصبیت کے لیے لڑنے والوں غیر اسلامی نظریات و کفار کا فلسفہ پھیلانے والوں کے لیے قوانین مختلف ہیں۔ قرآن کے مطابق محارب کی[۲] سزا جلاوطنی یا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹنا ہے یا قتل ہے۔ دنیا اور عصبیت کے لیے لڑنے والوں کے لیے حدیث میں ہے کہ دونوں دوزخی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس منا من دعٰی الی العصبیۃ جو عصبیت (نسلی۔ لسانی۔ صوبائی) کی طرف دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں۔ دوسری حدیث ہے کہ ھلاك امتی فی العصبیۃ الخ۔ قرآن میں ہے: ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا "لست منھم فی شیء

---

[۱] محولہ بالا ص ۱۰۵۔

[۲] جو لوگ سیاست اور جمہوریت کا نام لے کر ریلوں کی پٹریاں اکھاڑتے ہیں۔ بسوں کو لوٹتے یا بنک لوٹتے ہیں یا سرکاری دفتروں میں آگ لگاتے ہیں یا مسافر بسوں پر پتھراؤ کرتے ہیں یا مسافروں کو ہراساں کرتے ہیں یہ سب محارب ہیں اور ان کی سزا قرآن میں مذکور ہے۔ بنو امیہ کے خلاف بغاوتیں ہوئیں جن کی امام ابو حنیفہ نے بھی حمایت کی مگر کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی مسافر سے تعرض کیا گیا ہو۔ یہ لوگ کسی ایک عامی کو بھی تنگ نہ کرتے تھے البتہ فوجوں سے لڑتے تھے حتیٰ کہ عالمگیر نے بھائی کے خلاف جو جنگیں لڑیں ان میں بھی نہ کسی عامی کو گزند پہنچا اور نہ عوامی ملکیت کو نقصان پہنچا۔ سیاست میں عوام کی املاک تباہ کرنا مغرب جدید تہذیب کا طرہ امتیاز ہے۔ حسن بصری تشدد پر اعلان حق اور توبہ کو ترجیح دیتے تھے۔ (تابعین): ۸۹

اگر حضرت علیؓ کے دور میں جنگیں نہ ہوتیں تو آج ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ کس قسم کے باغیوں سے کیسا سلوک کیا جائے اور فقہ کے بہت سے مسائل کے متعلق ہم صحیح متفقہ فیصلہ نہ کر سکتے تھے حضرت علیؓ کا ایک طرف یہ حال تھا کہ لوگ آپ سے کہتے کہ ابن ملجم (لعین) آپ کو قتل کرنے کے لیے تلوار باندھے پھر رہا ہے۔ لوگ اس کی مشکیں کس کر آپ کے پاس لاتے۔ لیکن آپ کہتے کہ میں کیسے اس کو گرفتار کر سکتا ہوں جبکہ اس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا۔ جب خارجیوں کی فوج اور آپ کی فوج کا آمنا سامنا ہوتا تو آپ ان پر اس وقت تک حملہ نہ کرتے جب تک کہ آپ کے دو یا تین ساتھی ان کے تیروں سے گھائل نہ ہو جاتے۔ اس کے بعد مجبور ہو کر آپ پر حملہ کرتے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے۔ کامل ابن مبرد باب الخوارج۔ لیکن تاریخ اس پر بھی گواہ ہے کہ ملحدوں اور مرتدوں۔ زندیقوں کو آپ بے دریغ قتل کرتے تھے پہلے آپ زندہ جلایا کرتے تھے لیکن جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ سے کہا کہ آگ کی سزا سوائے خدا کے کوئی اور دینے کا مجاز نہیں تو حدیث کو سن کر آپ نے زندیقوں کو جلانا بند کر دیا اور اس کے بعد آپ ان کو قتل کی سزا دیتے تھے۔ آپ کی اس سُنّت پر دیگر خلفاء بھی عمل کرتے رہے۔ خلیفہ کے قتل مشہور ہیں لہ

جس زمانے میں حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ برسر پیکار تھے تو شاہ رُوم نے حضرت معاویہؓ کو مدد کی پیش کش کی۔ لیکن معاویہؓ نے جواب میں کہا کہ او نصرانی کتّے! اگر تو نے حضرت علیؓ کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو سب سے پہلے میں حضرت علی کی فوج میں شامل ہو کر تجھ سے لڑوں گا۔ یہ جواب سن کر شاہ روم خاموش ہو گیا۔ لیکن آج ملحد اور زندیق بڑی بے غیرتی

لہ سیوطی: تاریخ الخلفاء، ۲۷۹

سے اندرا گاندھی سے مدد طلب کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ اندرا گاندھی کی قوم نے مسلمانوں کا قتلِ عام ۱۹۴۷ء میں کیسے کیا اور آج بھارت میں مسلمانوں کو وقفہ وقفہ کے بعد کیسے قتل کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ دعوائے اسلام کے ساتھ ساتھ اس روس سے مدد طلب کر رہے ہیں جس نے سمرقند و بخارا سے قرآن و حدیث کا نام مٹا دیا ہے۔ امام بخاری کے وطن میں آج صحیح بخاری کے کتنے نسخے باقی رہ گئے ہیں اور ان احادیث کو سمجھنے والے کتنے زندہ باقی ہیں؟ لینن نے تو اپنے کتابچہ Lenin on Reiegion ص ۳۸: میں صاف صاف لکھا ہے کہ خدا کی عبادت سے زیادہ ذلالت اور گندگی و غلاظت کسی کام میں نہیں ہے اور کفر پھیلانا ہی ہمارا بنیادی مقصد ہے۔ انور پاشا سے لینن کا دھوکہ مشہور ہے۔

پچھلے چالیس سال میں مسلمانوں کے نظریات اور طرزِ عمل میں کتنا فرق آ گیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وزیرستان کے فقیر آف ایپی (جن سے راقم الحروف کو بھی شرف ملاقات حاصل ہوا تھا) نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا اور پاکستان بننے تک انگریز کی فوج اور ملیشیا کا ناطقہ بند رکھا۔ مگر فقیر صاحب عرف حاجی صاحب کے آدمی ملیشیا یا فوج کی، کانوائیوں کو سڑکوں پر روکتے تھے۔ ان پر حملہ بھی کرتے۔ انگریزوں کی پوسٹوں اور قلعوں پر بھی حملہ کرتے اور لوٹتے لیکن انہوں نے نہ کبھی کسی پرائیویٹ بس یا کار کو اپنے قبضہ میں لیا نہ کسی کار یا بس کو آگ لگائی۔ آگ تو انہوں نے کسی سرکاری بس کو بھی کبھی نہیں لگائی کیونکہ اس کے اصل مالک تو مسلمان تھے۔ انگریز تو غاصب تھے۔ جنگ عظیم دوئم کے زمانے میں انہوں نے سرگرمیاں تیز کر دیں تو کوہاٹ بنوں روڈ بھی ان کی دسترس سے محفوظ نہ رہ سکی۔ لیکن انہوں نے اس روڈ پر

بھی مسافروں کو کبھی نقصان نہ پہنچایا اور نہ کبھی کسی بس کو نقصان پہنچایا۔ فقیر صاحب کے کسی مجاہد نے کبھی کسی بس کے مسافر کو ایک تھپڑ بھی رسید نہ کیا اور نہ کسی بس پر کوئی پتھر پھینکا۔ فقیر آف ایپی ایک صاحب کرامت بزرگ تھے خاص کر وزیرستان اور صوبہ سرحد کے جنوبی حصہ کے لوگ آپ کو بزرگ مانتے تھے اور عزت کرتے تھے۔ راقم الحروف کے والد ضیاء الحسن صاحب (خدا بخشے) اگرچہ وزیرستان میں وائرلس انجینئر سرکاری ملازم تھے مگر فقیر صاحب کو ماہوار باقاعدگی سے چندہ بھیجا کرتے تھے۔ پاکستان بننے سے کچھ پہلے جب نہرو نے سرحدی علاقہ کا دورہ کیا تھا تو میران شاہ کے قریب اس کے ہوائی جہاز پر فقیر ایپی نے جس توپ سے فائر کئے تھے راقم الحروف کو وہ توپ بھی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آج مجاہدین افغانستان فقیر صاحب کی پیروی میں اسلام کے پودے کی آبیاری کر رہے ہیں۔ مصر کے رشید رضا نے افغانوں کی بہت مدح کر کے کہا کہ یہی لوگ خلافت کا احیاء کر سکتے ہیں اگر عربی زبان کو اپنا لیں۔ [1]

بڑوں پر سختی شیر شاہ کے ایک فوجی نے کھیت سے بالیں توڑیں تو اس کی ناک میں چھید کر کے بالیں لٹکا دیں اور اسے الٹا لٹکا کر سفر میں لیے پھرتا رہا۔[2] فوج کے گذرنے سے کھیتی کو نقصان ہوا تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار درہم معاوضہ دلوائے۔[3] ابو مسلم خولانی امیر معاویہؓ کو السلام علیکم ایہا الاجیر

---

[1] رشید رضا: الخلافۃ، مصر۔ ص ۸۱۔

[2] ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۱: ۱۵۳ بحوالہ ۲: ۵۸، ۱۵۳۔

[3] شبلی: الفاروق: ۲: ۱۵۴ بحوالہ الخراج: ۵۸۔

یعنے اسے ملازم سلام علیکم کہہ کر خطاب کرتے۔ قرآن میں نبیؐ کو حکم ہوا کہ جو مسلمان آپ کی پیروی کرے اس کے لیے اپنا بازو نیچا کر دو (۲۶ - ۲۱۵)۔ پھر بھلا مسلمان میں افسری کا خناس کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تاجر کے گھوڑے کی جانچ کے لیے سواری کی تو وہ ہلاک ہو گیا۔ شریحؒ نے ثالث بن کر فیصلہ کیا کہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ گھوڑا صحیح سالم واپس کریں۔ اس پر ان کو قاضی مقرر کیا[1] عمرو بن العاص نے عیسائی عورت کا مکان کئی گنا قیمت دے کر اس کی مرضی کے خلاف گرا کر مسجد کی توسیع کی تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد کی جدید عمارت گرا کر دوبارہ مکان بنا کر عورت کے حوالہ کیا جائے[2] جب امیر آدمی کے غلاموں نے اونٹ چرا کر کھا لیا تو حضرت عمرؓ نے غلاموں کے مالک سے یہ کہتے ہوئے دوگنی قیمت دلوائی کہ تم ان کو بھوکا رکھتے ہو گے[3] غریب بچے نے امیر بچے کا کان کاٹ ڈالا حضورؐ نے کم عمری کی وجہ سے قصاص نہ دلوایا اور غربت کی وجہ سے دیت عائد نہ کی رواہ ابوداؤد والنسائی بسندین صالحین۔[4]

حجر کا قانون قرآنی حکم کہ احمقوں کو مال نہ دو (النساء: ۵) کے مطابق سفہ وہ عمل ہے جو شرع محمدی کے خلاف ہو اور اس میں ہوا کا اتباع

---

[1] التشریع الجنائی: ۱۸۱/۱ مؤلفہ عبدالقادر عودہ۔

[2] مصطفیٰ السباعی: من روائع حضارتنا: ۷۹ بیروت۔

[3] امام مالکؒ: الموطاء

[4] التاج الجامع للاصول: ۳/۱۲ مصر۔

پایا جائے۔ مثلاً گانے والیوں اور کھیل کود والوں کو مال دینا۔ تبذیر یہ ہے کہ فاسق پر روپیہ خرچ کرے اور ان کی دعوت کرے اور اسی طرح کے ناجائز کام۔ صاحبین کے نزدیک دونوں قسم کے لوگوں کو قاضی ان کے مال میں تصرف سے روک سکتا ہے اور ان کا نگران ولی مقرر کرسکتا ہے[1] اس طرح امراء و صنعت کاروں کے فتنہ کا مداوا ہوسکتا ہے۔

منتخب صدر کو کب ہٹانا چاہیے لشکر کی واپسی پر حضورؐ نے ڈانٹا کہ تم اس بات سے کیوں عاجز رہے کہ میرا مقررہ امیر اگر میرے احکام کی پابندی نہ کرے تو تم دوسرے کو امیر بنالو جو میرے احکام کی پابندی کرے[2] شرعی خلاف ورزی ممکن نہیں۔

ذمی کا مال لشکر مسلم پہ ہے حرام ۔۔۔ فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا[3]
چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج ۔۔۔ مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

عدل کی بنیاد عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر حکمران زانی محصن کو عامی مسلمان قتل کردے تو اس کو سزا نہ ہو گی کیونکہ اس نے واجب کو سرانجام دیا۔[4]

افسوس کہ اسلامی عدل کی اس بنیاد ہی کو آئین کی دفعہ ۲۴۸ میں پاش پاش کر دیا گیا۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

---

[1] الفتاویٰ ہندیہ ۵: ۵۵ مطبوعہ مصر۔ واشباہ ذلک قیحجر القاضی عندھما۔

[2] ابوداؤد حدیث نمبر ۲۶۲۷۔

[3] بانگ درا۔ محاصرہ ادرنہ۔

[4] التشریع الجنائی الاسلامی ۱: ۳۲۱، ۳۲۲۔

ایک تاجر کا قیام عدل کے سلسلے میں کارنامہ اور بادشاہ کا تقویٰ

ہندوستان کی بہمنی سلطنت میں عدل مثالی طور پر نافذ تھا۔ بقول عبدالحفیظ جس طرح دوسرے اسلامی حکمران انصاف رسانی کو اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ اسی طرح بانی سلطنت علاء الدین حسن نے عدل گستری کو اپنا سب سے بڑا فرض سمجھا۔ اسی سلطنت کے ایک حکمران علاء الدین ثانی جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اور اپنے لیے السلطان العادل وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے۔ اس پر ایک عرب تاجر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور منبر کے قریب آکر کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو عادل ہے نہ کریم تو ظالم ہے۔ جھوٹا ہے۔ مسلمانوں کے منبر پر کھڑے ہو کر جھوٹ بولتا ہے ..... تاجر کو دراصل یہ شکایت تھی کہ جو گھوڑے بادشاہ نے خریدے تھے ان کی قیمت سرکاری افسروں نے اس وقت تک ادا نہیں کی تھی۔ سلطان عرب کے الزام سے بہت متاثر ہوا۔ فوراً گھوڑوں کی قیمت دلوادی۔ اپنے ملازموں کے فعل سے اتنا شرمندہ ہوا کہ زار و قطار رونے لگا۔ اس کے بعد وہ محل میں گیا اور پھر موت تک باہر نہ آیا[۱] الحکم تہجد میں رو کر عادل قاضی خدا سے مانگتا اور پاتا[۲]

اسلامی نظامِ عدل اور مغربی نظام عدل کا بعد المشرقین

انگلینڈ کے نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا۔ اسی اصول کی نقالی میں پاکستان کے آئین میں بھی یہ شق داخل کر دی گئی کہ صدر، وزراء وغیرہ کے دور حکومت میں

---

[۱] عبدالحفیظ: برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ۱۵۳ مطبوعہ اسلام آباد۔
[۲] ریاست علی: تاریخ اندلس: ۱: ۳۹۵ اعظم گڑھ۔

ان کے خلاف کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا۔ انگلینڈ کی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ وہاں معمولی سے معمولی جرم پر عامیوں کو موت کی سزا دی جاتی اور بڑے لوگوں اور مذہبی پادریوں کو بالکل معاف کر دیا جاتا یا معمولی سرزنش کافی سمجھی جاتی تھی۔ یہ ہمارا موضوع نہیں اس لیے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ جب دنیا میں اسلامی عدل کا ڈنکا بجتا تھا۔ اس دور میں ہنری دوئم نے ایک ایسے پادری پر عام عدالت میں مقدمہ چلانا چاہا جس نے ایک بہت بڑے آدمی کی بیٹی کی عصمت دری کرنے کے بعد اس کے باپ کو بھی قتل کر ڈالا تھا تو آرک بشپ نے اس پادری کو بادشاہ کے حوالے کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اس کو پہلے ہی معطلی کی سزا دے چکا ہوں اور ایک آدمی کو اسی جرم پر دوبارہ سزا نہیں دی جا سکتی[1]۔ ظاہر ہے کہ مقتول اور مقتولہ دونوں بڑے لوگ تھے اس لیے بادشاہ کو مقدمہ چلانے کا خیال بھی آگیا ورنہ مقدمہ کا خیال تک نہ آتا۔ بہر حال نتیجہ صفر ہی رہا۔

اسلام میں اس کا الٹ ہے[2] ضعیفوں اور کمزوروں اور چھوٹے لوگوں کے لیے نرمی ہے اور بڑے لوگوں کے لیے سختی۔ ابو زہرہ نے اپنی کتاب فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی القسم الثانی میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ حد

---

[1] Sexual Life in England :۱۱۰ By Dr. Ivan Bloch

مذکورہ مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں پاپائیت یا حکومت پرستی نہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ شرعی قوانین حکام اور علماء سب کے لیے ایک ہیں۔

[2] ہمارے ملک کی خاکسار تحریک جب زوروں پر تھی تو نماز قضا کرنے پر عام خاکسار کو کم کوڑے مارے جاتے اور سالار اگر نماز قضا کرتا تو زیادہ کوڑے لگتے۔ علامہ مشرقی کا یہ طریقہ مذکورہ بالا اصول پر تھا۔

کے سلسلے میں غلام کی سزا میں تخفیف سے یہ اصول قرآن سے ثابت ہے۔ ایک فقرہ ملاحظہ ہو:

وهكذا يتبين أن العبد يخفف عنه مرتين اولاهما بتنصيف العقاب و الثانية بأن تكون الة الضرب أخف من الآلة التي يضرب بها الحر[1]

یعنی غلام کی سزا میں دو طرح سے کمی ہو گئی۔ اول یہ کہ اس کی سزا نصف ہو گی۔ دوسرے یہ کہ جس چھڑی سے اسے مارا جائے گا وہ بھی ایسی ہو گی جو آزاد کی نسبت کم تکلیف دینے والی ہو۔

اس اصول کو ہم ان کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ولهذا ننتهي الى ان مقتضى القواعد الفقهية الماخوذة من نصوص القرآن والسنة لا من اقوال الفقهاء انه ينبغي تخفيف العقاب "بالنسبة الفقراء الناس والذين يعملون فى اعمال يستحقرها الناس ولا يقبل عليها ذو المكانات الرفيعة سيرًا على قاعدة ان الجريمة تكبر بكبر المجرم وتهون بهوانه والعقوبة تتبع للجريمة لانها جزاؤها والجزاء يكون بمقدار العمل و على وفقه وان هذا هو العدل المطلق الذى انار السبيل اليه كتاب الله تعالى وسنة رسوله الامين صلى الله تعالى عليه وسلم[1]

یعنی ان وجوہات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فقہاء کے اقوال سے نہ سہی لیکن لیکن قرآن و سنت سے جو قواعد فقہیہ ماخوذ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: کہ غریب لوگ

---

[1] ابوزہرہ: فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی، القسم الثانی: ۱۶۶، ۱۶۷ مطبوعہ ۱۹۶۶۔

اور وہ لوگ جو ان کاموں کو سرانجام دیتے ہیں جن کاموں کو دوسرے لوگ حقارت سے دیکھتے ہیں ان کو جرائم کی سزا نسبتاً ہلکی دی جانی چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جرم مجرم کے بڑے ہونے کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے اور مجرم کے کمتر ہونے کی وجہ سے جرم بھی کم ہو جاتا ہے۔ اور سزا جرم کے تابع ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کی جزاء ہوتی ہے اور اس کی مقدار عمل کی مقدار کے موافق ہوتی ہے۔ یہی وہ حقیقی عدل ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے واضح ہوتا ہے۔

شاید اسی اصول کے تحت بلبن نے قاضی کو شراب پینے کے جرم میں موت کی سزا دی۔ روزہ توڑنے کا کفارہ ساٹھ روزے یا ساٹھ مساکین کا کھانا ہے۔

آیئے اب مذکورہ بالا اصول کا جائزہ تاریخی مثالوں سے دیکھیں سپین کے حکمران الحکم سے یہ گناہ ہوا کہ وہ رمضان میں دن کو محل میں چلا گیا اس نے اس گناہ کا کفارہ یحییٰ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ دو ماہ متواتر روزے رکھو جب بخشش ہو سکتی ہے۔ اس وقت تو حاضرین چپ ہو گئے۔ دربار سے واپسی پر آپ سے پوچھا گیا کہ کیا امام مالکؒ نے اس کفارہ کا کوئی بدل بھی بتایا ہے یا نہیں یحییٰ نے جواب دیا کہ معاوضہ ضرور ہے لیکن اگر میں سلطان کو اس سخت سزا کا معاوضہ بتا دیتا تو اس کو مکرر اس گناہ کی جرأت ہوتی۔ اس پابند شرع بادشاہ نے فتوے پر پوری طرح عمل کیا۔[1] ۸۰

ایک مرتبہ سلطان محمود خیمہ میں تنہا بیٹھا تھا کہ فریادی آیا۔ محمود نے پوچھا

---

[1] انتظام اللہ شہابی: خلافت ہسپانیہ: ۷۸ ندوۃ المصنفین دہلی۔

کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے ؟ اس نے کہا کہ آپ نے۔ بات یہ ہے کہ آپ کے فیلبان نے میرے کھجور کے درخت سے ہاتھی باندھ رکھا ہے اور خود کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ توڑ کر نیچے پھینک رہا ہے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ محمود نے خود جا کر تحقیقات کی اور حکم دیا کہ فیلبان کی گردن میں رسی باندھ کر اسے کھجور کے درخت سے لٹکا دیا جائے۔ محمود نے حاجب کو جس نے کسی فقیر کا خچر بیگار میں پکڑ لیا تھا موت کی سزا دی[1] ان فیصلوں سے اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر تاریخی واقعات یوں ہی ہیں۔

گجرات کے حکمران احمد شاہ اول کے داماد نے کسی کو بے قصور قتل کر دیا بادشاہ نے اس کو باندھ کر قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی نے وارثین کو دو سو اونٹ کے قصاص پر راضی کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا لیکن بادشاہ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح دولت مند لوگ ناحق خون کرنے میں دلیر ہو جائیں گے۔ غرض کہ داماد کو قصاص میں قتل کر دیا اور اس کی لاش ایک روز تک لٹکتی رہی تاکہ ظالم عبرت حاصل کریں[2] اس واقعہ کو میں نے ملک کے ایک چوٹی کے قانون دان کے سامنے بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ بادشاہ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ اونٹوں کی دیت کو رد کر کے قتل کی سزا دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دیت یا قصاص ایک ولی کا حق ہوتا ہے اس کے لیے ولی دیت قبول کرنے کو تیار ہے لیکن ایک حق حکومت اور عوام کا بھی ہوتا ہے اِس واقعہ میں آئندہ دولت مندوں

---

[1] صباح الدین : ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں : ۱ ؛ ۶ ؛ ۷، ۴، ۵ مطبوعہ اعظم گڑھ۔
[2] محولہ بالا ص ۱۵۴، ۱۵۵۔ مغربی تہذیب میں اس کا الٹ ہے۔

کو قتل سے باز رکھنے کے لیے جانی قصاص پر بادشاہ کا اصرار خلاف شرع قرار نہ دیا جائے گا۔ خاص کر اس خاص کیس میں بادشاہ کا فیصلہ اقرب الی الصواب تھا۔ عبدالرحمٰن الجزیری نے فقہ اربعہ میں اپنی کتاب میں خوب بحث کی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ وہاں اصولی بحث دیکھی جا سکتی ہے۔ (۵:۲۶۵)

یونین سازی غیر ضروری

برٹرینڈ رسل کا خیال ہے کہ مزدوروں کی مشکلات کے لیے اگر عدالتیں صحیح اور جلد انصاف مہیا کریں تو یونینوں کی ضرورت نہ رہے۔ اسلام کے عدالتی نظام میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مثلاً خلیفہ منصور حج کرنے گیا تو سامان اٹھانے والے مزدوروں کو پیسے کم دیئے۔ مزدور فوراً قاضی کے پاس گئے اور قاضی نے منصور کو عدالت میں طلب کر کے زیادہ پیسے دلوائے۔ اس انصاف سے خلیفہ نے خوش ہو کر قاضی کو انعام دیا[1]۔ ڈاکٹر اقبال نے شاہ مراد کا واقعہ نظم کیا ہے اس نے ایک کاریگر کے کام کو ناپسند ہونے کی بنا پر غصہ میں اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ کاریگر قاضی کے پاس گیا اور قاضی نے قصاص میں بادشاہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر کر دیا۔ بادشاہ نے ہاتھ آگے کر دیا کہ اسے کاٹ دیا جائے۔ یہ انصاف دیکھ کر کاریگر کو بادشاہ پر رحم آ گیا اور قرآن کی اس آیت ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان کے مطابق قاضی نے عدل کرتے ہوئے قصاص کا حکم دیا۔ لیکن کاریگر نے بادشاہ پر احسان کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔ پس آئین ۷۳ء کی دفعہ ۲۴۸ میں جباروں کی خدائی ہے۔

---

[1] شہیر ارسلان، القضاء والقضاۃ: ۱۹۳۔

اسلامی نظام عدل کی ایک درخشندہ مثال

سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک زمانے میں عربی بولی جاتی تھی جس کا اثر یہ ہے کہ سندھی زبان میں سب سے زیادہ عربی کے الفاظ ہیں اور گنتی میں تو اب تک عین عربی ہندسے ہی رائج ہیں۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے دور میں بلوچستان مکران۔ سندھ میں مسلم افواج داخل ہو گئی تھیں[۱]۔ خضدار میں خارجیوں نے ایسی عدل و انصاف کی حکومت اولین دور میں قائم کی اور ایسے معاشرے کو جنم دیا جہاں کہ چوری کا نام تک کوئی نہ جانتا تھا۔ لوگ اپنے دروازوں کو کھلا چھوڑ کر جہاں مرضی گھوم آتے۔ مسافر مسجد میں سامان رکھ کر بے فکر گھومتا یا رات کو سو جاتا۔ کسی قسم کی چوری کا سوال ہی ان لوگوں کے سامنے نہیں پیدا ہوتا تھا۔[۲]

سندھ کے تخت پر شاہ بیگ کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسن بیٹھا تو اس نے اپنی حکومت کے قائم کردہ نظام عدل کو پرکھنے کے لیے بعض تاجروں سے چند گھوڑے خریدے اور عمداً تساہل اور تاخیر سے کام لیا۔ اس دور میں کورٹ فیس نہ تھی۔ تاجروں نے قاضی سے رجوع کیا۔ اس زمانے میں وہاں شکراللہ قاضی تھے جو شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی یکے از مرتبین فتاویٰ عالمگیری کے دادا تھے۔

---

[۱] ۱۵ھ میں تھانہ اور بھڑوچ پر حملہ ہوا۔ (بلاذری، فتوح البلدان باب فتوح السند۔

[۲] مکران وغیرہ کے علاقے کے لوگ راتوں کو گھروں کے دروازے بند نہ کرتے تھے اور بہت سے مکانات کے تو دروازے ہی نہ لگے تھے۔ البتہ کتے بکری وغیرہ سے حفاظت کے لیے کوئی ترکیب کر لی جاتی ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ۱۵۱، ۴۰ : ۳ دیکھیے لفظ قزدار جس کو آج کل خضدار کہا جاتا ہے۔

قاضی موصوف نے مدعا علیہ کی حیثیت سے بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا اور اسے مدعی تاجروں کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ قصہ مختصر بادشاہ کے خلاف فیصلہ صادر ہونے پر تاجروں کو قیمت ادا کر دی گئی۔ اس کے بعد قاضی صاحب اٹھے اور آداب سلطانی بجالائے اور سلطان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب بادشاہ نے تلوار نکالی جو اس نے قبا میں چھپا رکھی تھی اور اسے قاضی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا " یہ تلوار میں نے آپ کے لیے رکھی تھی اگر آپ صحیح فیصلہ نہ کرتے اور میرے لحاظ میں اپنے مقام کا لحاظ نہ رکھتے تو اس تلوار سے آپ کی گردن اڑا دیتا " تحفۃ الکرام میں تاریخ طاہری کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ قاضی نے بھی (بادشاہ کی بات سُن کر) مسند کے نیچے سے برہنہ تلوار نکال کر دکھائی (اور کہا) " میں نے بھی یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مبادا بادشاہ خلاف شریعت قدم اٹھائے اور کوئی شخص اسے ٹوکنے کی جرأت نہ کرے تو میں خود اس تلوار سے سیاست شرعی بجالاؤں[۱] " سبحان اللہ! کیا دَور تھا کہ بلوچستان و سندھ میں بادشاہ۔ قاضی۔ اور عوام نے متحد ہو کر خلافت راشدہ جیسا عدل و انصاف کا معاشرہ قائم کر رکھا تھا۔ یا آج کا دور ہے کہ اسی سندھ کے لوگوں کو غیر ملکی پروپیگنڈہ اور نفسیاتی جنگ سے کام لیکر بچوں عورتوں بے گناہ مومن مسافروں پر حملوں کے ذریعے مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کر کے کافروں کی غلامی اور خدا و رسول ؐ سے انحراف کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور دڑیروں کا بول بالا ہو رہا ہے

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حدیث میں ہے جو خروج میں نیک و بد پر تشدد کرے وہ مجھ سے نہیں [۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ۴: ۱۳۸، ۱۳۸ تحفۃ الکرام، ۲: ۵۹ بحوالہ محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ۲۷۸، ۲۷۹۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور سنہ ۱۹۷۳ء [۲] من خرج علی اُمتی یضرب برھا وفاجرھا ولا یتحاشٰی من مؤمنھا ۔۔۔ فلیس منی۔ (مسلم مع نووی ۱۲: ۲۳۸) مصر

عدل کے چند بنیادی اصول

برٹرینڈ رسل جرائم۔ قانون اور سزا پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سزائیں اس لیے دی جانی چاہیے تاکہ لوگوں کو جرم سے باز رکھا جاسکے اگرچہ آج کل ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ مزید لکھتا ہے کہ اگر جرائم اس بات سے رک جائیں کہ مجرموں کو انعام دیا جاتا ہے تو مجھے اس طریقہ کار پر اعتراض نہ ہوگا۔ میں تخیل میں ایسا طریقہ کار سوچتا ہوں جس میں کہ عوام کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ یہ سزا پانے والے مجرم قتل کر دیئے گئے ہیں۔ مگر حقیقت میں ان کو جنوبی سمندروں کے جزیرے میں بھیج دیا جائے جہاں وہ بیکاری کی پرسکون زندگی گزار سکیں۔ ایسا طریقہ کار لوگوں کو جرائم سے باز بھی رکھے گا اور انتقامی بھی نہ ہوگا۔ اس طریقے میں مجھے صرف ایک ہی بات کا خدشہ ہے کہ کسی نہ کسی دن کوئی صحافی وہاں پہنچ جائے گا اور بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔[۱]

عمر بن عبدالعزیز نے خراسان کے والی کو لکھا کہ تمہارا یہ لکھنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی چیز درست نہیں کرسکتی بالکل غلط ہے۔ ان کو صرف عدل اور حق درست کرسکتا ہے۔ اسی کو عام کرو۔ (تاریخ الخلفاء: ۲۴۲)

پس اسلام میں جرائم سے باز رکھنے کی خاطر سزائیں شاید سخت ہیں مگر عوام کو عیب چھپانے کی تاکید ہے تاکہ واقعی سزائیں زیادہ نہ ملیں۔ قتل کی سزا میں بھی معافی اور دیت کی گنجائش ہے بشرطیکہ ورثا مان جائیں۔

ابو یوسفؒ لکھتے ہیں: جس پر چوری کا شبہ یا وہم ہو یا کسی دوسرے جرم کا تو اسے مارنا، ڈرانا یا دھمکانا نہیں چاہیے۔ جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا تو

۱۔ New Hopes for a changing world By Bartrand Russell P.85

۱۳ **ظلم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام** | عدل کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسلام جرائم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام کرتا ہے۔ وہ تبلیغ حکمت اور احتساب کے ذریعے ایسا معاشرہ پیدا کرتا ہے کہ جس میں لوگ خدا سے محبت اور خوف کے امتزاج کی وجہ سے جرائم سے باز رہیں۔

اسلامی نظام عدل حکمت کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کو قاضی بنایا تو دو سال تک کوئی مقدمہ نہیں آیا۔ اکثر لوگ اختلاف کی صورت میں مفتیوں سے شرعی مسئلہ معلوم کر کے آپس میں معاملات کا فیصلہ کر لیتے تھے تو عدالت میں جانے کی نوبت کم ہی آتی۔ سلمان کے ہاں چالیس دن مقدمہ نہ آیا۔[1]

اسلامی حکمت اور قوانین کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے بادشاہ احمد شاہ کے ۳۲ سالہ دور میں صرف دو قتل ہوئے[2] جبکہ جمہوری امریکہ میں سائنٹیفک سامان سے لیس پولیس کے باوجود ہر سال تقریباً ۱۵ ہزار قتل ہو جاتے ہیں۔ آج امریکہ میں گاہک دکانوں سے اربوں ڈالروں کا مال چوری کرتے ہیں۔ نقب سے مال چوری کرتے ہیں۔ نقب زنی اور کاروں کی چوری کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ لیکن دکن کی تاریخ عدل کا ذکر کرتے ہوئے عبدالحفیظ لکھتے ہیں: اسی انتظام کا نتیجہ تھا بقول صاحب تاریخ قطب شاہی ایک بڑھیا سر پر طشت میں زر و زیور رکھ کر اکیلی احمد نگر اور بیجا پور کی سرحد تک جا سکتی تھی۔[3]

---

[1] اسد الغابہ: تذکرہ سلمان بن ربیعہ باہلی

[2] عبدالحفیظ: برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، مطبوعہ اسلام آباد۔

[3] محولہ بالا ص ۹۰ ا ر ۱۰۰ ا۔

اگر وہ چوری یا قتل یا قابل حد جرم کا اقرار کر لے تو یہ اقرار قابلِ لحاظ نہ ہو گا یعنی یہ جائز نہ ہو گا کہ اس اقرار کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا مواخذہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جسے بھوکا رکھا جائے، ڈرایا جائے یا قید میں رکھا جائے تو یعید نہیں۔ کہ وہ اپنے خلاف کسی جرم کا اقرار کر لے۔ چوری کے ملزم کو مارا گیا تو اس نے اقرار کر لیا پھر عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے یہ اقرار مار کے بعد کیا۔۔۔۔ یہ جائز نہیں کہ کسی کو محض دوسرے کی تہمت پر حوالات میں بند کر دیا جائے حضورؐ تہمت کی بنا پر مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ چاہیے کہ مدعی و مدعا علیہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے اگر مدعی ثبوت پیش کر دے تو فیصلہ کر دیا جائے ورنہ مدعا علیہ کو شخصی ضمانت پر رہا کر دینا چاہیے پھر اگر مدعی ثبوت پیش کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ ملزم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صحابہ حدود جاری کرنے سے اتنا بچتے تھے اور شبہات کی بنا پر حدود کو ٹالنا اتنا اچھا سمجھتے تھے کہ جب چور پکڑا ہوا آتا تو اس سے کہتے کیا تو نے چوری کی ہے۔ کہو: نہیں۔۔۔۔ حضورؐ کے پاس ایک شخص لایا گیا تو آپ نے اس سے کہا مجھے تو یہ چور معلوم نہیں ہوتا۔۔۔۔ آپؐ نے فرمایا میرا خیال نہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔ کیا تو نے چوری کی ہے؟۔۔۔۔ ابو ہریرہ کے پاس ایک شخص لایا گیا۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے چوری کی ہے۔ کہہ دے کہ نہیں۔ حضرت علیؓ کے پاس مع دو گواہ کے ایک شخص لایا گیا تو آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر جھوٹا گواہ میرے پاس لایا جائے گا تو میں اس کو فلاں فلاں سزا دوں گا۔ پھر آپ نے گواہوں کو طلب کیا تو ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس پر آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا[1] ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت

---

[1] کتاب الخراج، ص ۱۷۵-۱۷۶، یاد رہے کہ چوری کا ہرجانہ مغلیہ دور میں پولیس سے وصول کیا جاتا تھا۔ (حوالہ آرہا ہے)

علیؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے چوری کی ہے۔ آپ نے اسے جھڑک دیا۔ وہ دوبارہ آیا اور پھر اقرار کیا۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ اب تو نے خود ہی اپنے خلاف مکمل شہادت دیدی۔ پس آپ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے چار بار زنا کا اقرار کیا تھا۔ آپؓ نے کہا کہ اب بھی اگر یہ رجوع کرلے تو ہم اس پر حد قائم نہ [illegible] گے۔[1] برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ ہم سب چاہتے ہیں کہ ایک ایسی سوسائٹی معرض [illegible] میں آجائے جس میں جبر کم سے کم ہو اور لوگ خود بہ خود ایسے طرز عمل کو اپنا لیں [illegible] کی بنیاد امداد باہمی اور معاونت پر ہو۔[2] مغربی دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی [illegible] صرف مسلمانوں نے ہی قائم کرکے دکھائی ہے رسل مزید لکھتا ہے کہ امریکہ نے بنیادی حقوق کے اصول سے متاثر ہو کر اپنے آئین میں یہ بات لکھ دی کہ کسی شخص کی زندگی یا اس کی آزادی یا اس کی ملکیت کو بغیر قانونی عدالتی طریقہ کار کے سلب نہیں کیا جاسکتا[3] مزید یہ بھی لکھ دیا کہ وہ قانون جس کے تحت مقدمہ چلایا جائے وہ اس وقت موجود ہونا چاہیے جبکہ اس نے وہ فعل کیا ہو جس کی وجہ سے مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ انگریز اس قسم کی پابندی گرفتاری سے

---

[1] محولہ بالا ص ۱۶۹، ۱۷۰۔

[2] (دیکھئے اس کی محولہ بالا کتاب، ص ۸۴)

[3] ترکی میں جب باب عالی کو آگ لگی تو باب عالی کی دوبارہ تعمیر کے سلسلے میں ارد گرد کے مکان خرید لیے گئے۔ لیکن ایک بڑھیا نے مکان بیچنے سے انکار کر دیا تو خلیفہ دھونس یا مال سے بھی اس زمین کو حاصل نہ کر سکا اور بڑھیا نے خلیفہ کو ناکام کر دیا۔ ڈاکٹر عزیز دولت عثمانیہ ۲: ۳۶۹، ۳۷۰ مطبوعہ اعظم گڑھ بحوالہ لارڈ لارپنٹ۔

متعلق تمام کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر مشکل حالات میں استثنا کی آڑ لے لیتے ہیں۔ آئرلینڈ اور ہندوستان میں جب انگریزوں کی حکومت تھی تو وہ اکثر ان اصولوں کی بڑی خلاف ورزی کرتے تھے[1] پروفیسر بریفالٹ اپنی کتاب Making of Humanity. (تشکیل انسانیت) میں تسلیم کرتا ہے کہ انسانی حقوق و آزادی سے متعلق تمام قوانین اور فلسفہ یورپ والوں نے مسلمانوں اور قرآن ہی سے سیکھا ہے۔ امریکہ نے آئین بنانے اور لاطینی امریکہ نے آزادی کی جدوجہد کے اصول بھی مسلمانوں سے لیے ہیں۔ الخ[2] ایڈمنڈ برک یعنی انگلینڈ کے مشہور سیاست دان اور ممبر پارلیمنٹ نے اعلان کیا کہ محمدی قانون جو شاہ سے ادنیٰ ترین شخص کے لیے یکساں ہے۔ یہ قانون دنیا کے سب سے عاقلانہ اور عالمانہ فلسفہ قانون سے مرکب ہے۔ یہ دنیا کا سب سے روشن و ترقی یافتہ قانون ہے۔ Hartwig Hirchfeld. پی۔ایچ۔ڈی لکھتا ہے کہ قرآن تمام سائنس کا منبع ہے۔ مورخ ولیم ڈریپر لکھتا ہے کہ نسل انسانی پر محمدؐ سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں[3] نپولین کہا کرتا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ میں دنیا کے تمام ممالک کے عقلمند اور تعلیم یافتہ آدمیوں کو اکٹھا کر کے قرآن کے مطابق ایسا نظام قائم کر لوں گا جس سے ہر طرف خوشی ہی خوشی ہو گی۔ دنیا میں صرف قرآن کے اصول ہی حقیقی طور پر سچے ہیں۔ برنارڈ شا لکھتا ہے کہ آپؐ ہی انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر آج کوئی ان جیسا شخص دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو تمام مشکلات حل ہو جائیں اور ہر طرف امن و خوشی کا دور دورہ ہو

---

[1] دیکھئے اس کی محولہ بالا کتاب ص ۸۰ ۔

[2] پی ایل۔ڈی ص ۸۶ جرنل ج ۷۱ × × ۔۴۔ ۱۹۷۴ تحقیق جسٹس حمود الرحمن۔ [3] مزید دیکھئے مائیکل۔ایچ ہارٹ: دی ہنڈرڈ: ۴۰ ۔

جائے میں پیش گوئی کر چکا ہوں اگلی صدی میں اسلام یورپ میں مقبول ہو جائے گا۔ اور ابھی سے اس کی شروعات ہو چکی ہیں۔ ایچ۔ جی ویلز تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ آج کی دنیا کو جو بھی روشنی ملی ہے وہ عربوں سے ملی ہے۔ [۱]

عدل اور حکمت

اسلامی نظام میں ملزموں کو مار پیٹ کی بجائے جرائم کی تفتیش علم و عقل اور ذہنی کاوش سے کی جاتی تھی یہ چیز بھی مغرب نے ہم سے ہی سیکھی ہے گو ہم نے بعد کو ان سے مار پیٹ سیکھ لی۔ ایسا اسلامی تہذیب کے زوال کے بعد ہوا۔ ابن النسوی کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس چوری کے دو ملزم لائے گئے۔ انہوں نے ان کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔ پھر ملازموں سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ جب پانی آگیا تو قصداً اپنے ہاتھ سے گلاس چھوڑ دیا جو گر کر ٹوٹ گیا۔ ان میں ایک آدمی اس کے اچانک گر کر ٹوٹنے سے گھبرا گیا اور دوسرا اسی طرح کھڑا رہا۔ اس گھبرانے والے سے کہہ دیا کہ چلا جائے اور دوسرے کو حکم دیا کہ مال مسروقہ برآمد کرے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا کہ یہ چور ہے تو انہوں نے کہا کہ چور کا دل مضبوط ہوتا ہے وہ نہیں گھبراتا اور گھبرانے والا اس لیے بری ہوا کہ اگر گھر میں چوہا بھی حرکت کرتا تو یہ گھبرا کر بھاگ جاتا اور یہ خفیف سی حرکت بھی اس کو چوری سے روک دیتی۔ ایک شخص کے پانچ سو دینار چوری ہو گئے وہ سب مشتبہ لوگوں کو حاکم کے پاس لے گیا۔ حاکم نے ان سے کہا کہ میں مار پیٹ نہ کروں گا میرے پاس ایک لمبی ڈور ہے جو ایک اندھیرے کمرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ تم سب اس

---

[۱] Charm of Islam

مذکورہ بالا چھ حوالوں کے لیے دیکھئے اسلام کا جادو نامی کتاب ص ۵، ۲۴، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۴، ۵۰۔ چارم آف اسلام مطبوعہ بادواتی۔

میں جاؤ اور ہر ایک شخص اس کو ہاتھ میں لے کر آخر تک ہاتھ لگائے چلا جائے اور ہاتھ کو آستین میں چھپا کر باہر آتا رہے - یہ ڈور چور کے ہاتھ پر لپٹ جائے گی حاکم نے ڈور کو پسے ہوئے کوئلے سے کالا کر دیا تھا - ہر شخص نے اندھیرے میں ڈور پر اپنے ہاتھ کو کھینچا سوائے ایک شخص کے - جب سب لوگ باہر آگئے تو ان کے ہاتھوں کو دیکھا تو سب کے ہاتھ سیاہ تھے سوائے ایک شخص کے جس کو پکڑ لیا گیا - اور وہ اقراری ہوگیا[۱] شیر شاہ کے دور میں علاقوں کے حاکم اس بات کے ذمہ دار ہوتے تھے کہ ان کے علاقے میں جرم نہ ہوا اور اگر ہو تو ملزم پکڑا جائے - ایک مرتبہ دو گاؤں کی سرحد پر قتل ہوگیا اور کوئی حاکم جائے قتل کو اپنے علاقے میں واقع تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوا - کیونکہ اس کی سرحد سے متعلق تنازعہ چلا آرہا تھا - آخر کار شیر شاہ نے دو آدمیوں کو جائے قتل کے پاس درخت کاٹنے کے لیے بھیجا جہاں سے مقتول کی لاش ملی تھی - اس پر ایک آدمی نے آکر شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ درخت کیوں کاٹ رہے ہو - اس طرح یہ شخص گرفتار لیا گیا - اس گاؤں کے مقدم سے پوچھا کہ درخت کے کاٹے جانے کو تم کو علم ہوگیا - اور آدمی کے سر کٹنے کی خبر نہ ہوئی غرضیکہ اس ترکیب سے قاتل کا پتہ چل گیا - [۲]

تعجب ہے کہ بیسویں صدی کے حکمران حضورؐ کو نبی بھی مانتے ہیں پھر ختم نبوت کو بھی مانتے ہیں مگر قانون میں اپنے کو حضورؐ اور خلفائے راشدین سے بھی بلند مقام اور صاحبِ اقتدار کا درجہ دیتے ہیں پھر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن و سنت سے ہٹ کر قانون سازی کر کے مسلمان رہ سکتے ہیں -

---

[۱] کتاب الاذکیاء، مولفہ ابن جوزی - ۶۲ - سلیمانؑ و دو عورتوں کا مقدمہ مشہور ہے :- ۱۷

[۲] ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں مطبوعہ اعظم گڑھ ج ۱ ص ۴۴ بحوالہ تاریخ داؤدی -

ایک حاجی نے حج پر جانے سے پہلے ہزار دینار ایک ارنڈ کے درخت کے نیچے گڑھا کھود کر دبا دیئے۔ حج سے واپس آکر دیکھا تو نہ ملے۔ لوگوں نے اس کو عضدالدولہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا کہ کیا وہ غیب داں ہے؟ مگر لوگوں کے اصرار سے وہ چلا گیا۔ عضدالدولہ نے تمام حکیموں کو جمع کر لیا اور پوچھا کہ اس سال ارنڈ کی جڑوں سے کس نے علاج کیا ہے۔ اس طرح سے اس درخت کی جڑیں لانے والے کا کھوج لگا کر رقم برآمد کر لی گئی۔ اسی دور کے دوسرے حاجی کا قصہ ہے جس نے قیمتی ہار امانت رکھوایا مگر رکھنے والا منکر ہو گیا۔ عضدالدولہ نے حاجی کو خائن کی دوکان کے سامنے روزانہ بیٹھنے کا مشورہ دیا۔ چوتھے روز عضدالدولہ وہاں سے گزرا اور مع ساتھیوں کے اس سے بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ جس کو دیکھ کر خائن کو خوف پیدا ہوا اور حاجی کو بلا کر اپنے حافظہ کی کمزوری کا بہانہ کرتے ہوئے ہار واپس کر دیا۔ پھر خائن کو عبرت ناک سزا دی گئی۔ اسی طرح سے ایک عورت نے ابن النسوی پولیس کے سربراہ سے شکایت کی کہ اس کے خاوند نے دوسری شادی کر لی ہے اور اس کا اور اس کی اولاد کا خیال کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ابن النسوی نے بہلانے سے خاوند کو بلایا اور باتوں میں یہ ظاہر کیا کہ اس کی فلاں بیوی ان کی رشتہ دار ہے اور اس طرح سے وہ بھی ان کا رشتہ دار ہی ٹھہرتا ہے۔ پھر اس کی بیٹیوں کا نام لے کر ان کی خیر و عافیت دریافت کی اس کے بعد سے خاوند نے پہلی بیوی اور اس کی اولاد کی طرف سے بے توجہی برتنی چھوڑ دی۔ قاضی القضاۃ شامی کے پاس دو شخص آئے۔ ایک کا دعوٰے تھا کہ اس نے دوسرے کے پاس ایک مسجد میں دینار امانت رکھنے کو دیئے تھے۔ مگر دوسرا منکر تھا۔ قاضی نے ملزم کو بٹھا لیا اور سائل کو اس مسجد سے قرآن لانے کو کہا تا کہ وہ حلف لے

سکیں۔ جب وہ چلا گیا تو کچھ دیر بعد ملزم سے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس مسجد تک پہنچ گیا ہوگا اس نے جواب دیا کہ ابھی نہیں اس کا یہ جواب اقرار کے مانند ہوگیا اور اس کو رقم واپس کرنی پڑی۔ اسی قسم کا واقعہ ایاس بن معاویہ کے ساتھ پیش آیا۔ اس واقعہ میں امانت ایک درخت کے نیچے سپرد کی گئی تھی۔ پس سائل کو درخت کے پاس بھیجا گیا کہ شاید اس نے وہاں دفن کر دیا ہو۔ اور پھر بھول چوک ہوگئی ہو۔ اور اس کو وہاں پہنچ کر یاد آجائے الخ۔ یوں خائن سے اقرار کرایا گیا۔ خلیفہ منصور نے ایک روز دریچے سے دیکھا کہ ایک شخص سڑکوں پر پریشان پھر رہا ہے۔ اس کو بلوانے پر پتہ چلا کہ اس نے مال بیوی کے سپرد کیا تھا اور وہ کہتی ہے کہ چوری ہوگیا حالانکہ گھر میں نقب وغیرہ کا کوئی نشان نہیں اور شادی کو سال ہوا ہے۔ منصور نے اس کو تیز خوشبو کا عطر دیا اور غم غلط کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر چار آدمیوں کو اس عطر کی خوشبو سنگھا کر کہا کہ بازاروں میں پھرو اور ایسی خوشبو والے کو پکڑ لاؤ۔ اس شخص نے عطر لے جا کر اپنی بیوی کو دیا اس نے خوشبو سے متاثر ہو کر اپنے آشنا کو بلا بھیجا اور اس کو عطر لگایا۔ وہ عطر لگا کر گھومنے نکلا تو پکڑا گیا کیونکہ وہ نایاب قسم کا عطر تھا۔ اس لیے اس کو مال حاضر کرنا پڑا۔ ایک امانت سے منکر کی شکایت ایاس ابن معاویہ کے پاس کی گئی۔ ایاس نے خائن کو بلا کر کہا کہ ہمارے پاس کثیر مال آگیا ہے۔ کیا آپ کا مکان محفوظ ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں غرض اس کو جگہ کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ اس عرصہ میں سائل کو بلا کر کہا کہ اب تم جا کر اپنی امانت طلب کر دا اور کہو کہ اگر نہ دے گا تو میں قاضی کو جا کر خبر کر دوں گا غرض اس ترکیب سے اس کا مال وصول ہوگیا۔ بعد میں خائن کو جھڑک کر بھگا دیا۔ (۴۹ تا ۰۷)

مذکورہ بالا واقعات ہم نے ابن الجوزی کی کتاب الاذکیاء سے لیے ہیں جس

میں اور بھی واقعات درج ہیں۔ ہم نے بہت مختصر کرکے بیان کئے ہیں۔ صحیح لطف اٹھانے کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع ضروری ہے۔ کتب تاریخ میں ہزاروں ایسے واقعات درج ہیں جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حکمران اور قضاۃ مجرموں پر سختی کئے بغیر صرف عقل کے استعمال سے کدوکاوش کرکے حقیقت کا پتہ چلایا کرتے تھے۔ سکندر لودھی کے زمانے میں ایک بھائی نے اپنے بھائی کے ذریعہ بیوی کو ایک لعل بھیجا جسے بھائی ہضم کر گیا۔ وطن پہنچ کر جب خاوند نے بیوی سے لعل کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ تمہارے بھائی نے مجھے نہیں دیا۔ غرض دونوں نے اس عورت پر چوری کا الزام رکھ کر قاضی کے سامنے پیش کر دیا اور خائن نے دو جھوٹے گواہ بھی پیش کر دیئے جن کی وجہ سے قاضی بھی مجبور ہو گیا۔ عورت پریشان ہو کر آگرہ سکندر لودھی کے پاس پہنچی۔ بادشاہ نے دونوں بھائیوں اور گواہوں سے کہا کہ موم پر اس لعل کی صحیح صحیح تصویر بنا کر دیں۔ عورت نے تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جو چیز میں نے دیکھی نہیں اس کی تصویر کیسے بنا سکتی ہوں۔ پھر دونوں بھائیوں نے جو شکل بنائی وہ دونوں گواہوں کی شکل سے بالکل مختلف تھی۔ جس سے گواہوں کا جھوٹ ثابت ہو گیا اور اصلیت بے نقاب ہو گئی۔[۱] ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی دور کے حکمران رعایا سے چھپتے نہیں تھے۔ غریب سے غریب بھی جب چاہے ان تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ بقول مامون بغاوت عمال کی زیادتی کا نتیجہ ہوتی ہے۔[۲]

---

[۱] تاریخ فرشتہ بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں مطبوعہ اعظم گڑھ جلد اول صفحہ اول۔ صفحہ ۲۰۵ بحوالہ تاریخ فرشتہ و تاریخ داؤدی۔ [۲] سیوطی: تاریخ الخلفاء: ۳۲۷۔

عدل و احسان نظام الملک کے پاس ایک عورت استغاثہ کے لیے حاضر ہوئی۔ چونکہ وہ کھانا کھا رہا تھا اس وجہ سے حاجبوں نے روک دیا۔ نظام الملک نے ان کو ڈانٹ کر کہا کہ میں نے تم کو غریب فریادیوں ہی کے لیے رکھا ہے۔ معززین تو خود پہنچ جاتے ہیں[1]۔ ایک بار ایک مظلوم نے ملک شاہ سلجوقی کے گھوڑے کی باگ راستے میں پکڑ لی اور شکایت بیان کی۔ بادشاہ نے اس کو کہا کہ میری آستین پکڑ کر مجھے گھسیٹتے ہوئے وزیر کے پاس لے چلو۔ مجبوراً اس کو ایسا کرنا پڑا۔ وزیر یہ حال سن کر ننگے پاؤں دوڑتا ہوا آیا۔ بادشاہ نے وزیر کو ڈانٹا اور مظلوم کی شکایت رفع کی گئی[2]۔

سلطان نورالدین تو عفو کا مجسمہ تھا۔ ایک شخص نے زمین کے سلسلے میں اس پر جھوٹا مقدمہ کر دیا۔ سلطان چوگان کھیل رہا تھا کہ عدالت کا چپڑاسی بلانے آگیا۔ سلطان جاکر عدالت میں مدعی کے برابر بیٹھ گیا۔ شہادتوں کے بعد قاضی نے سلطان کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ حق ثابت ہونے کے بعد سلطان نے وہ زمین مدعی کو ہبہ کر دی[3]۔ بس بعض حکام بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیتے تھے۔ مقتفی کے وزیر ابن ہبیرہ کی داہنی آنکھ ایک سپاہی کے ناجائز تھپڑ مارنے کی وجہ سے طالب علمی کے زمانے میں جاتی رہی تھی۔ وزارت عظمیٰ کے زمانے میں وہی شخص قتل کے جرم میں ان کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اپنے پاس سے مدعیوں کو خون بہا ادا کر کے اور مجرم کو اپنی

---

[1] طبقات الشافعیہ ترجمہ نظام الملک۔

[2] مقالات احسانی، ص ۶۳، مؤلفہ مناظر حسن۔

[3] تاریخ اسلام مولفہ معین الدین، ج ۴، ص ۱۷۶۔ مطبوعہ اعظم گڑھ۔

جیب سے پچاس اشرفیاں دے کر رخصت کیا۔[1] سلطان محمد خلجی کی مملکت میں کوئی شخص چور کے نام سے واقف نہ تھا۔ اگر اتفاق سے کسی تاجر یا سفیر کا مال چوری ہو جاتا تو سلطان خزانے سے ہرجانہ ادا کرتا اور اس کو مقامی حکام سے وصول کر لیتا تھا[2] مغلوں کی حکومت کا بھی یہی دستور تھا کہ چوری کے مال کا ہرجانہ پولیس کو ادا کرنا پڑتا تھا۔[3] دراصل یہ طریقہ پرانا تھا۔ حضرت معاویہ نے بدمعاشوں کے ناموں کا اندراج کر رکھا تھا۔ اور ان کے گورنر زیاد نے اعلان کر دیا تھا کہ جس کا مال چوری ہو گا میں اس کا ضامن ہوں گا۔ (معین الدین: بنوامیہ: ۲۹ مطبوعہ اعظم گڑھ)

سلطان نورالدین کے ایوان کے دروازے پر دربان نہ ہوتا تھا۔ اور ہر ایک کو آنے کی اجازت تھی۔ اس نے اپنے عمال اور قاضیوں کو بھی دربان رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔ ہندو مؤرخ کے۔ ایس لال لکھتے ہیں۔ علاؤالدین بھی بلبن کی طرح عدل نوازی میں سخت تھا۔ اس نے ایک قاضی کو شراب پینے کے جرم میں موت کی سزا دیدی۔ کوئی عہدہ دار بھی اپنے جرم کی سزا پانے سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ اخلاق عامہ کے لیے محتسب تھے[4] کوئی بھی کوئی راہ کی چیز نہ اٹھا سکتا تھا۔

قصاص کا تاریخی جائزہ

قرآن میں قصاص کا حکم ہے۔ اس واسطے حضورؐ نے بھی اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا۔

---

[1] مقالات احسانی، ص ۱۷۶ مولفہ مناظر حسن۔

[2] تاریخ فرشتہ ۲: ۳۵۴ بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ۱: ۱۵۵ مطبوعہ اعظم گڑھ۔ [3] قریشی: مغلوں کا نظام حکومت: ۱۵۲۔

[4] ہسٹری آف دی خلجیز بحوالہ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۱۳۴، ۱۳۵

اور حضرت عمرؓ نے بھی حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے لڑکے کو قبطی سے قصاص میں کوڑے لگوائے اور پھر قبطی سے کہا کہ عمرو بن العاص کے سر پر بھی ایک کوڑا لگاؤ۔ مگر قبطی بولا کہ ان سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم مار بھی دیتے تو ہم میں سے کوئی تم کو منع نہ کرتا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ابن العاص سے کہا کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے۔ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا۔ ان کا یہی فقرہ آج بیسویں صدی میں انسانی حقوق کی بنیاد بن گیا ہے۔ امریکہ نے حقوق کا سبق اسلام سے لیا ہے مگر خود مسلمان اسے بھلا بیٹھے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ مرد عورتوں کے ساتھ طواف نہ کریں۔ پھر ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے عورتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس اس کو ایک درہ لگا دیا۔ وہ شخص بولا کہ اگر میں نے صحیح کام کیا تھا تو تم نے ظلم کیا اگر غلط کیا تھا تو تم نے مجھے ٹوکا نہیں۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تو نے میرا اعلان نہیں سنا تھا۔ اس نے نفی میں جواب دیا۔ تو آپ نے اس کے سامنے درہ ڈال دیا اور کہا کہ اپنا قصاص لے لو۔ اس نے کہا کہ آج نہیں لیتا۔ تو کہا کہ معاف کر دو۔ بولا معاف بھی نہیں کرتا۔ پھر وہ الگ ہو گئے۔ اگلے روز اس نے دیکھا کہ ان کا رنگ متغیر ہے تو بولا کہ آپ نے میری بات کا بہت اثر لیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں اس پر اس نے کہا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نے آپکو معاف کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر پولیس کسی کو ناحق مارتی ہے تو پولیس سے قصاص دلایا جانا چاہیے۔ کیا پولیس کا درجہ حضرت عمرؓ سے بھی بلند ہو گیا۔ خلیفہ ہشام کو ایک شخص نے

ؒ[1] القضاء والقضاۃ مولفہ شہیر ارسلان مطبوعہ بیروت ص ۱۸۵۔

[2] احکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۴۹۔

منہ در منہ سخت الفاظ کہے تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں۔ ایک مرتبہ خود اس نے ایک شخص کو نا ملائم الفاظ کہے تو اس نے کہا کہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر ایسے الفاظ نکالتے ہو تم کو شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور کہا کہ بدلہ لے لو۔ تو اس نے کہا کہ میں بھی تم جیسا کمینہ بن جاؤں۔ ہشام نے کہا مالی معاوضہ لے لو۔ اس کا بھی انکار ہو گیا۔ ہشام نے کہا کہ خدا کی راہ میں معاف کر دو۔ اس نے کہا پہلے خدا کی راہ میں پھر تمہارے لئے بھی معاف کیا[1] اس کے بعد ہشام نے قسم کھالی کہ ایسا آئندہ کبھی نہ کرے گا۔ ابن ہبیرہ نے ایک مرتبہ کسی کو گدھا کہہ دیا۔ پھر اصرار کرتے رہے کہ قصاص میں تم بھی مجھے گدھا کہو۔ جب تک کہہ نہ لو گے مجھے قرار نہ آئے گا۔[2] ہندو مؤرخ پروفیسر ایشوری پرشاد لکھتا ہے کہ محمد تغلق کو تین مرتبہ ماخوذ ہو کر قاضی کی عدالت میں جانا پڑا۔ وہ بغیر ہتھیار کے پیدل قاضی کی عدالت میں جاتا پھر سلام اور تعظیم کرتا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکے نے دعوےٰ کیا کہ سلطان نے بلا سبب مارا ہے قصاص میں لڑکے نے سلطان کو اکیس چھڑیاں ماریں۔ اور ایک مرتبہ سلطان کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی۔ سلطان نے اس کو قسم دے کر کہا تھا کہ مجھے بھی اتنے زور سے مارنا جتنے زور سے میں نے تم کو مارا تھا۔[3] علاؤالدین کی طرح سکندر لودھی بھی مظلوموں کی دادرسی کے لیے پورا اہتمام کرتا تھا۔ مغرب کے بعد حرم کا چکر لگا کر خلوت خاص میں جاتا اور لوگوں کے استغاثے سنتا۔ اس کے منصف

---

[1] ابن اثیر: الکامل: ۵: ۲۶۴ بحوالہ شاہ معین الدین تاریخ اسلام: ۲: ۲۸۸۔

[2] منتظم ابن جوزی ذکر وزیر ابن ہبیرہ۔

[3] ہسٹری آف دی قرونہ ٹرکس بحوالہ ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک ص ۲۱۷۔

رات گئے تک عدالت میں بیٹھے رہتے کہ شاید کوئی فریاد لے کر آجائے[1] بلبن کے زمانے میں بدایوں کے حاکم نے ایک فراش کو کوڑے مارے اور وہ مرگیا۔ فراش کی بیوہ بلبن کے پاس فریادی بن کر پہنچی تو بلبن نے حاکم کو بھی درے لگوائے۔ وہ مرگیا تو اس کی لاش شہر کے دروازے پر عبرت کے لیے لٹکا دی کہ دوسرے حکام عبرت حاصل کریں[2]

مصر کی سیاہ فام لڑکی نے عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا کہ میرے گھر کی دیوار نیچی ہے لوگ میری مرغیاں چرا کر لے جاتے ہیں۔ آپ نے مصر کے گورنر کو فوراً خط لکھا کہ خط ملتے ہی خود جا کر اس کے گھر کی دیوار اونچی اور مضبوط کرا دو (من روائع حضارتنا) اسلام نے عدل کی وہ بنیاد قائم کی کہ حجاج جیسے شخص تک جب ایک عورت کی فریاد پہنچی تو فوراً سندھ پر حملہ کر دیا گیا۔ اندلس کے حکمران منصور کو جب ایک مسلمان قیدی عورت کی فریاد پہنچی تو وہ فوج لے کر فرڈی ننڈ پر چڑھ دوڑا اور اس کو آزاد کرایا اسی منصور نے امن عامہ برقرار رکھنے کے لیے ایک بیٹے کو قربان کر دیا اور دوسرے کو انصاف کے تقاضے پر موت کی سزا دی[3]۔ اسلامی تاریخ کا بدترین دور خلیفہ ولید کا زمانہ تھا۔ ظالم حجاج گورنر عراق اسی کا متعین کردہ تھا۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عامل پر عراقیوں نے پتھر برسائے تو آپ نے بددعا دی کہ ان پر ثقفی نوجوان کو مسلط کر جو ان کی کسی نیکی کو قبول نہ کرے اور برائی کی معافی نہ کرے۔ ان کی بددعا کے اثر سے حجاج ان پر مسلط کیا گیا[4]۔ بہرحال اس نے بھی قرآن پر اعراب

---

[1] محولہ بالا ص ۲۸۶۔

[2] تاریخ فرشتہ بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں جلد اول: ص: مطبوعہ اعظم گڑھ

[3] تاریخ ہسپانیہ: ص ۳۰۲، ۳۰۴ مولفہ ناصر لاہور۔

[4] سیوطی: تاریخ الخلفاء: ۱۲۰۶

لگائے اور ولید کے دور میں عظیم فتوحات ہوئیں۔ رفاہِ عام کے کام تو خلفائے راشدین کے دور سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوئے۔ مسافر خانے، سڑکیں، نہریں، یتیم خانے وغیرہ کثیر تعداد میں بنائے گئے۔ اپاہجوں اور اندھوں کو خدمت کے لیے خادم دے دیئے گئے۔ علماء، ضعفاء و فقراء کے لیے روزینے مقرر کر دیئے گئے اور سوال کرنے سے روک دیئے گئے۔ ولید خود بازار کا چکر لگایا کرتا اور نرخ معلوم کر کے ان کو کم کراتا تھا۔ رمضان میں تمام مسجدوں میں روزہ داروں کے کھانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔[۱]

عماد الدین زنگی قرض لے کر بھی خیرات کر دیتا تھا۔ عمال کو ہدایت تھی کہ کسی کو بھوکا ننگا نہ رہنے دیں۔ نور الدین زنگی نے اعلان کیا کہ مجھے سلطان نہ سمجھنا۔ اگر غلطی کروں تو تنبیہ کر دینا یا میری حمایت سے دست بردار ہو جانا۔[۳]

حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ مجھے وہ محبوب ہے جو میرے عیوب مجھے بتائے

الناس علیٰ دین ملوکھم کے مطابق حکمرانوں کے عمل کا اثر رعایا پر بھی پڑتا ہے۔ سلطان بلبن کا بھتیجا بہت سخی تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ اس نے نقد۔ سامان۔ اسباب سب کچھ لٹا دیا حتیٰ کہ جسم کے کپڑوں کے سوا کچھ نہ رہا۔[۴]

---

[۱] تاریخ الخلفاء مؤلفہ سیوطی۔ تاریخ طبری۔ العیون والحدائق، ص ۱۷۔ بحوالہ معین: نوامیہ = ۱۴۲

[۲] یعقوبی تاریخ یعقوبی: ۲: ۲۹۱ بیروت ۱۹۶۰ء

[۳] نور الدین محمود زنگی مؤلفہ طالب ہاشمی، ص ۱۱۵-۱۳۰۔

[۴] ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں، ج ۱، ص ۷۷

سلطان صلاح الدین بیت المقدس کی تفصیل کے لیے خود پتھر ڈھو کر لاتا۔ اس کی رعایا پروری کے واقعات کا شمار نہیں۔ صحت کی خرابی کے باوجود روزہ رکھنے سے حالت بگڑ گئی۔ جو آتا خیرات کر دیتا تمام عمر زکوٰۃ واجب نہ ہوئی مرتے وقت کفن کے لیے قرض لینا پڑا۔[1] اس کا پیش رو نورالدین بیت المال سے کچھ نہ لیتا تھا ذاتی آمدنی سے بمشکل گزارہ کرتا۔[2] اس کی تین دکانیں تھیں جن کی سالانہ آمدنی بیس اشرفی تھی[3] نظام الملک روزانہ غریبوں کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔[4] ابن اثیر کے بیان کے مطابق خلیفہ مقتدی کا زمانہ بھی بہت خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ ملک شاہ سلجوقی کو الملک العادل کا خطاب ملا۔ اس کے عدل کی مثالیں ابن اثیر نے بیان کی ہیں یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ خلیفہ مستظہر کا دور اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے رعایا کے لیے گویا ہر روز روز عید تھا۔ خلیفہ مستنجر باللہ عدل پرور اور رعایا نواز تھا۔ اس کے دور میں کوئی ٹیکس نہ لیا جاتا تھا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ جب کفار کے ہاتھوں ستم اٹھانے والی ایک عورت کی فریاد معتصم باللہ کو پہنچی تو فوراً لبیک لبیک کہہ کر تخت سے اترا[5]

---

[1] ابن اثیر و کتاب الروضتین: ص ۲۱۳۔

[2] ناصر الدین و عالمگیر کا قرآن لکھ کر روزی کمانا مشہور ہے۔ لیکن اور بھی حکمران ایسے تھے، مثلاً دکن کا فیروز شاہ مصحف کی کتابت سے اس کی بیوی لباس پر نقش کر کے روزی کماتے تھے۔ (عبدالحفیظ: برصغیر پاک و ہند میں نظام عدل گستری: ۱: ۱۹۲، ان کا اثر عوام پر بھی پڑتا تھا

[3] صلاح الدین مصنفہ لین پول۔ سعید احمد: مسلمانوں کا عروج و زوال: ۱۰۳ دہلی۔

[4] ابن اثیر۔ [5] ابن اثیر بحوالہ معین الدین: خلافت عباسیہ: ۱: ۲۰۰

اور فوج کو کوچ کا حکم دیدیا اور قاضی کو بلا کر وصیت کی کہ میری جائداد کے تین حصے کرنا۔ ایک میری اولاد کا، دوسرا غلاموں اور متوسلین کا اور تیسرا خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

جدید حکومتوں کی لوٹ مار اور ظلم عظیم

برٹرینڈ رسل نے اپنے ایک مضمون "ماڈرن میداس" میں یورپ کے ماہرین معاشیات کی حماقتوں اور حکومتوں کی بدترین بے ایمانیوں کا ذکر کیا ہے۔ فلیراجع۔ وہ لکھتا ہے کہ جدید حکومتیں جب کھلم کھلا بے ایمانی پر اترتی ہیں۔ تو سونے کی بنیاد کو ختم کر کے کرنسی کی قیمت کم کر دیتی ہیں۔ جنگ عظیم اول کے بعد روسیوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم بیرونی قرضے بھی ادا نہیں کریں گے۔[1] اندرونی طور پر روبل کی قیمت نوٹ چھاپ کر سابق قیمت کی نسبت $\frac{1}{13}$ کر دی گئی۔[2] قرون وسطیٰ میں کرنسی کی بے ایمانی ہنری ہشتم نے کی تھی وہ اس طرح کہ سکوں میں تانبا ملا دیا گیا۔ لیکن وہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا اور مسلمان حکمران اس جرم میں کبھی ملوث نہیں ہوئے تھے۔ بین الاقوامی اور داخلی بدنامی کی وجہ سے ملکہ الزبتھ نے آکر سکوں سے کھوٹ نکلوا کر کرنسی کی سابقہ قیمت بحال کر دی۔ روس میں تو ۶۰ روبل ماہوار آمدنی والے سے بھی انکم ٹیکس کاٹ لیا جاتا ہے۔[3] کرنسی کی قیمت کی وجہ سے قرضوں۔ ادائیگیوں اور عورتوں کے مہر غیر معجل میں بڑی گڑبڑ ہو جاتی اور فساد عظیم واقع ہوتا ہے۔ پاکستان میں حال ہی میں جو کرنسی کی قیمت گری تو حکومت نے اس کا کچھ مداوا سرکاری ملازمین کی تنخواہ بڑھا کر دیا تھا لیکن پرائیویٹ اداروں کے ملازمین کے سلسلے میں حکومت نے

---

[1] Bertrand Russell In Praise of Idleness P.P 46.47

[2] شارٹ اکنامکس ہسٹری آف یو۔ ایس۔ ایس۔ آر

[3] U.S.S.R. Questions and answers P 294· Moscow Publication

کوئی قدم نہیں اٹھایا حالانکہ ان کی حالت زیادہ ناگفتہ بہ ہے اور وہ محض صنعتکاروں کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں خاص کر چھوٹے صنعتی یونٹ۔ پھر آج منصور عباسی کا دور تو ہے نہیں کہ بوجھ اٹھانے والے بھی خلیفہ کو قاضی کے سامنے بلا کر اسی دن اپنا حق وصول کرلیں۔ انفرادی اور اجتماعی عدل کے لیے ضروری ہے کہ عدالتوں کا وہی نظام نافذ ہو جو خلفائے راشدین سے عباسی دور تک جاری رہا۔ بلکہ خلافت عثمانیہ میں بھی جاری رہا جس کی وجہ سے عثمانی خلیفہ کو بھی اپنے محل کی توسیع کے لیے ایک بڑھیا کی زمین حد سے زیادہ قیمت پیش کرکے بھی زبردستی خریدنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور محل کی حسب خواہش توسیع ہونے سے رہ گئی۔ عباسی دور میں قاضیوں کو کتنے اختیارات حاصل تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ نے وزیر فضل کی شہادت یہ کہہ کر رد کردی کہ انہوں نے اسے خلیفہ سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں آپ کا غلام ہوں اور اگر وہ واقعی غلام تھا تو غلام کی شہادت نامقبول ہے اور جھوٹ کہا تو جھوٹے کی شہادت نامقبول تو ہے ہی۔ اسی طرح انہوں نے نماز باجماعت ادا نہ کرنے والے وزیر کی شہادت بھی رد کردی خراساں کا والی قاضی ایاس کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ یہ آپ کا کام نہیں۔ یہ تو عوام کا کام ہے۔ اس پر وہ واپس چلا گیا۔ (القضاۃ والقضاءۃ: ۱۹۹)

اسلامی عدالتی نظام ہمیشہ جاری رہا حتیٰ کہ اکبر کے دور میں بھی اسی طرح قائم رہا۔ اس کے دور میں بھی قاضی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برا کہنے والے ہندو کا سر قلم کردیا حالانکہ بادشاہ۔ درباری اور رانیاں قتل کے خلاف تھیں۔ لیکن قاضی نے آزادی سے حنفی فقہ کی بجائے مالکی فقہ پر عمل کیا اور کوئی چوں نہ کرسکا۔[1]

---

[1] I.H. Qureshi: The Adminstration of Mughul Empire P.P. 184–6

کفار کی حکومتوں میں مسلم اقلیتوں پر شریعت کا نفاذ

ہم مولانا مناظر احسن گیلانی و ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وغیرہم کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ مغرب کی سیاسی برتری کی پچھلی دو صدیوں کو چھوڑ کر ہر دور میں مسلمانوں کی عدالتیں بہر صورت شرع محمدی پر عمل کرتی رہی ہیں۔ مناظر احسن گیلانی نے مشہور جغرافیہ دان ابن حوقل وغیرہم کی کتب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہندوستان اور چین وغیرہ میں جہاں مسلمان بہت اقلیت میں ہوتے تھے وہاں بھی ان پر مسلمان حاکم اور قاضی مقرر ہوتے تھے جو ان پر مکمل طور سے شرعی احکام نافذ کرتے تھے اور مسلمانوں کی حد تک اسلامی قانون عدل ہی رائج رہتا تھا۔ ان مسلمانوں پر نہ غیر مسلم حاکم کا حکم چلتا اور نہ غیر مسلموں کا کوئی قانون ان پر نافذ ہوتا۔ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ ابن حوقل اسی کی اور تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> والمسلمون لا یبتنون ان یحکم علیھم الا مسلم منھم ولا یتولی حدودھم ولا یقیم علیھم شھادۃ الا من فی دعوتھم وان قلّ عددھم فی بعض الممالک [1]

ان تمام علاقوں میں کسی حکم یا فیصلے کو اس وقت تک تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک کہ ان پر خود مسلمان ہی حاکم نہ ہو ان پر حدود اور سزاؤں کے نفاذ یا ان پر شہادۃ اور گواہی دلانے کا حق مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ خواہ اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد ابن حوقل اور "عجائب الہند" وغیرہ کتب کے حوالے دیتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ سلیمان تاجر چین کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ:

---

[1] ابن حوقل: کتاب صورۃ الارض: ۲۷۷۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۹ء

شہر خانفو جو چین کے مسلمان تاجروں کا مرکزی مقام تھا یہاں بھی چین کے بادشاہ نے مسلمانوں پر حکومت اور ان کے متعلق فصل خصومات کے اختیارات کو ایک مسلمان کے سپرد کر رکھا ہے۔ اس کے بعد اصل عربی اور ترجمہ کا اقتباس دیا ہے:

.... وان التجار العراقيين لا ينكرون من ولايته شيئًا في احكامه وعمله بالحق و في كتاب الله عزّوجلّ و احكام الاسلام۔ (سلیمان ص۱۴)

ترجمہ .... عراق کے مسلمان تجار چینی حکومت کے اس "مسلم والی" کی حکومت اور اس کے احکام کا انکار نہیں کرتے اور حق پر اس کا عمل ہے۔ اللہ کی کتاب کے مطابق اور اسلامی قوانین کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے۔ اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہے۔

پاکستان بننے سے پہلے مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں مولانا مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں کہ:

کیا زمانے کا انقلاب ہے کہ جس زمانے میں مسلمان ہندوستان میں انگلیوں پر مشکل گنے جا سکتے تھے اس وقت تو انہوں نے اس ملک میں یہ اختیار اور اقتدار حاصل کر لیا تھا کہ مسلمانوں ہی کی حکومت قائم ہوگی اور مسلمانوں پر ان کے دین ہی کا قانون نافذ ہوگا لیکن آج جب ان کی تعداد اسی ملک میں کروڑوں سے متجاوز ہو چکی ہے تو... اس پر اتفاق و اجماع ہونا آسان نہیں[1] اگر پاکستان بننے کے بعد تمام مسلم ممالک ایک بلاک بن کر ایک حکومت قائم کر لیتے تو آج بھی ہزار سال پہلے کی تاریخ دہرائی جا سکتی تھی اور

---

[1] مناظر حسن گیلانی: ہزار سال پہلے: ۱۳۱ تا ۱۳۳ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع سوئم ۱۹۷۵ء۔

ہندو چین میں جہاں بھی مسلمان اقلیت میں ہیں ان پر اسلامی قوانین مسلمان ہی نافذ کرتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔

کسی معاشرے کو سنوارنے اور ملک کی قسمت کو بدلنے میں نظام عدل کا کیا کردار ہوا کرتا ہے اصحاب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ اس لیے اگر ہم واقعتہً یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک پاکستان حقیقی معنوں میں اسلام کا قلعہ بن جائے تو ضروری ہے کہ پوری جامعیت کے ساتھ اسلام کے متوازن اور منصفانہ نظام عدل کو اس ملک میں نافذ کریں۔ انشاءاللہ العزیز اس وقت پاکستان ساری اسلامی و غیر اسلامی دنیا کے لیے نمونہ عمل قرار پائیگا۔

ﷺ آج بھی جو ہو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا